مولانا سیّد محبوب حسن واسطی

حضور ﷺ کا تعلیمی انقلاب

﴿۲﴾

قرآنی آیات، احادیث نبوی ﷺ اور تحقیقی دینی کتب کی روشنی میں ہم اس مقالے کے پہلے حصے (السیرۃ شمارہ نمبر ۳) میں دیکھ چکے ہیں کہ اسلام کی نظر میں تعلیم مرد و عورت دونوں کے لئے کتنی ضروری اور انسان کی پوری شخصیت کی تکمیل کے لئے کتنی اہم ہے۔ اجتماعی ترقی اور عام بہبود کے ساتھ اُس کا کتنا گہرا تعلق ہے۔ انسان کی عقلی، جسمانی، روحانی، جذباتی و تخلیقی صلاحیتوں کو کمال تک پہنچانے اور اُن کو ترقی دینے میں تعلیم کتنا بھرپور کردار ادا کرتی ہے۔ صحیح معرفتِ الٰہی اور خدا کی رضاجوئی کے لئے بھی تعلیم کتنی اہم ہے۔ اُسے حاصل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے کچھ آداب ہیں جن کا لحاظ ہر متعلّم اور معلّم کے لئے ضروری ہے۔ متعلّم کے لئے ادب و احترام اور معلّم کے لئے شفقت و نرمی اور متعلّم کی ذہنی صلاحیت و استعداد کا خیال ایک کامیاب تعلیمی نظام کے لئے کتنے ضروری ہیں۔ مقامی طور پر اگر حصول تعلیم کی سہولتیں معدوم یا محدود ہوں تو اس نیک مقصد کے حصول کے لئے بیرون ملک کے کٹھن سفر اور تکالیف اُٹھانے کی اسلام میں کتنی ترغیب ہے اور اسلام کی نظر میں اسطرح تکالیف برداشت کرنے کے بعد علم حاصل کرنے کا کتنا عظیم ثواب ہے۔ ہاں اگر انسان ایسے ناپسندیدہ علم کے حصول میں اپنا وقت ضائع کرے جس کا مقصد دوسروں کو نقصان پہنچانا ہو مثلاً سحر و طلسمات (جادو، منتر، ٹونا) کا علم تو پھر اس سے اجتناب لازم ہے۔ اور اخیر میں یہ اہم بات کہ اسلامی نظام میں حکومت کا کردار مرکزی ہے اور اُس کی وضع کردہ صحیح تعلیمی

پالیسیاں مسلم معاشرے میں مثبت و تعمیری کردار ادا کرتی ہیں۔ اجتماعی ترقی کا کوئی شعبہ تشنہ نہیں رہتا اور اجتماعی ترقی و ہم آہنگی متوازن طور پر نشو و نما پاتی ہے۔

ایک ملک کا نظام تعلیم اُس ملک کی تاریخ و ثقافت اور اُس کے باشندوں کے مزاج کا عکاس ہوتا ہے۔ مثلاً یورپی ممالک، کمیونسٹ ممالک و امریکہ وغیرہ میں وہی نظام تعلیم رائج ہیں جو اِن ممالک کی تاریخ اور اِن ممالک کے باشندوں کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔ اس کے برخلاف مسلمان ممالک میں بیرونی اثرات کے باعث صورتِ حال مختلف ہے۔ اِن ممالک میں نظامِ تعلیم نہ پوری طرح ان ممالک کے باشندوں کے مزاج اور ان کی روایات کے مطابق ہے اور نہ پوری طرح مغربی تصورات سے ہی ہم آہنگ ہے، بلکہ وہ ایک طرح کا ملغوبا ہے جس کے نتیجے میں نہ فرد کے کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور نہ متوازن خطوط پر اسلامی معاشرہ ترقی کرتا ہے۔

مغربی نظامِ تعلیم میں اِن تین مفکرین کے افکار کا فیصلہ کن اثر رہا۔

۱۔ روسو Rousseau ۱۷۱۲ء تا ۱۷۷۸ء پیدائش جنیوا، پھر پیرس چلا گیا۔

۲۔ پستالوزی Pestalozzi ۱۷۴۶ء تا ۱۸۲۷ء سوئزرلینڈ کے شہر زیورخ سے تعلق۔

۳۔ ڈاکٹر جان ڈیوی Dewey ۱۸۵۹ء تا ۱۹۵۲ء ریاست ورمونٹ (امریکہ)

روسو نے اپنی مشہور عالم تصنیف ایمیل (Emile) میں تعلیم کے تین اہم ذرائع بتائے۔ انسان، اشیاء اور فطرت، اُس کی فکر کے تین بنیادی تصورات اس کے ان تین مشہور عالم جملوں سے ظاہر ہیں۔

1- Every thing is good as it comes from the hand of the creator but degenerates in the hands of man. (P-134)

ہر چیز حسین ہے کہ قدرت کے حسین ہاتھوں سے بنی ہے مگر انسان کے ہاتھوں آکر خراب ہوئی۔

2- Man is born free and everywhere he is in chains.

انسان آزاد پیدا ہوا مگر وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

3- Nature wills that children should be children

before they are men.

فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ بچے بچے ہی رہیں قبل اس کے کہ وہ پورے پختہ فکر انسان بنیں۔

اس فکر کے نتیجے میں روسو کا کہنا ہے کہ بچہ کی تعلیم الفاظ کے سہارے اور اُن کے ذریعے نہیں بلکہ کھیل کھیل میں اور طالب علم کے ذاتی تجربات و مشاہدات پر مبنی ہونی چاہئے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

1- Give your scholar no verbal lesson.

اپنے طالب علم کو زبانی سبق نہ دو۔

2- He should be taught by experience alone.

طالب علم کو صرف ذاتی تجربے کے ذریعے تعلیم دی جانی چاہئے۔

3- Play-way is the outsanting general method of creative education.

کھیل کھیل میں ہی بچہ کو سکھانا تخلیقی و مفید تعلیم کا عام ممتاز طریقہ ہے۔

پستالوزی (Pestalozzi) کا طریقہ تعلیم قدرے مختلف ہے وہ کہتا ہے:

Education is the Natural progressive and harmonious development of all powers.

تعلیم جملہ انسانی صلاحیتوں کے فطری، مرحلہ وار اور ہم آہنگ و متناسب ارتقا کا نام ہے۔

چنانچہ اُس کے طریقۂ تدریس میں ان چھ باتوں پر زور ہے۔

۱۔ سابقہ معلومات کا خصوصی خیال Previous Knowledge

۲۔ آسان سے مشکل کی طرف From Simple to Difficult

۳۔ معلوم سے نامعلوم کی طرف From Known to Un-known

۴۔ محسوس و مرئی سے غیر محسوس و خیالی تک From Concrete to Abstract

۵۔ اولاً سمجھنے کی قوت کو ترقی دینا ثانیاً معلومات بہم پہنچانا اور

۶۔ تدریسی معاونات Audio Visual Aids کے ذریعے قوتِ مشاہدہ کو ترقی دینا اور

الفاظ کے ربط سے اُسے تقویت فراہم کرنا۔

جان ڈیوی Dewey کی فکر تعلیم میں تین چیزوں پر زور دیتی ہے: عمل، تجربہ اور نتیجہ، اس کے نزدیک صحیح تعلیم وہی ہے جس سے گوناگوں عمل کی راہیں کھلیں جس میں نئے نئے تجربات ہوں اور نئے نتائج تک پہنچا جائے۔ کیونکہ تعلیم تجربات نو کا نام ہے۔ وہ خود زندگی ہے نہ کہ زندگی کی تیاری۔ وہ کہتا ہے:

> Education is the reorganisation, reconstruction and re-orientation of experiences.
>
> تعلیم انسانی تجربات کی تنظیم نو تعمیر نو اور نئی جہتوں کی تلاش کا نام ہے۔

وہ کسی بھی تعلیمی ادارے، اسکول کالج یا دانش گاہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ:

> Where experiments in life are carried on, read about and told about.
>
> ایسی جگہ ہے جہاں زندگی سے متعلق تجربات کئے جاتے ہیں۔ اُن تجربات کو پڑھا پڑھایا جاتا اور اُن پر گفتگو کی جاتی ہے۔

جان ڈیوی کی بعض کتابیں جن میں اُس کے ان نظریات کی مزید تفصیل ملتی ہے یہ ہیں:

1- Democracy and Education.

2- School of Tomorrow.

3- The School and Society.

اُس کے نزدیک تعلیم فرد کی تمام صلاحیتوں کو نشوونما دینے کا نام ہے تاکہ تحصیل علم کے بعد انسان اپنے ماحول اور مقاصد کو اپنے قابو میں کرے اور نئی اقدار تخلیق کر سکے۔ وہ اسکول گھر اور ماحول کو ایک وحدت بنانے پر زور دیتا ہے اور والدین واساتذہ کا فرض قرار دیتا ہے کہ ان تینوں میں ایک متوازن رشتہ قائم کریں۔ وہ مضامین کے انتخاب وطریق تدریس میں بچوں کی صلاحیتوں اور ان کی دلچسپیوں کا لحاظ ضروری سمجھتا ہے۔(۱)

اسلامی تعلیمی نظام کا امتیاز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی انقلاب کا ایک اہم پہلو جو اسلام کے تعلیمی نظام کو مغربی

یا کمیونسٹ ممالک کے تعلیمی نظام سے امتیاز عطا کرتا ہے یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں علم صرف دنیاوی زندگی ہی کے سنوارنے اور مادی زندگی کی زیادہ اور بہتر سہولتوں کی تلاش و فراہمی ہی کا نام نہیں بلکہ ہر ہر قدم پر اُس کا گہرا تعلق آخرت کی زندگی اور بہتر اُخروی نتائج سے ہے۔ تعلیم کے ذریعے اگر کسی فرد یا مملکت نے اُخروی زندگی سے غفلت برتتے ہوئے بہتر اور زیادہ مادّی سہولتیں حاصل کرلی ہیں تو وہ مغربی و کمیونسٹ ممالک کی نظر میں کامیاب تعلیم ہو سکتی ہے۔ لیکن اسلام صرف اُسی تعلیم کو کامیاب قرار دے گا جس میں کم مادّی سہولتوں کے باوجود نظر آخرت کی زندگی کی بہتری پر ہو اور کسی طور اس سے غفلت نہ برتی جائے۔ ہاں بہتر اور زیادہ مادّی سہولتوں کے لئے کاوش ضرور ہو اور تندہی سے ہو اور کفر کے مادّی غلبہ کے استیصال کے لئے جہد مسلسل میں کمی نہ آئے۔

اسلام کی نظر میں حصول تعلیم ایک دینی فریضہ اور مقدس فعل ہے جس کے اللہ پاک کے یہاں بڑے اُخروی درجے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد ربانی ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۔ (۲)

تم میں ایمان والوں کے اور ایمان والوں میں اُن لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا اللہ تعالیٰ (اخروی) درجے بلند کرے گا۔

اور حدیث شریف کے مطابق طالب علم جب دنیاوی زندگی میں حصول علم کے کٹھن راستوں پر چلتا ہے تو گویا وہ جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلتا ہے اور آسمانی مخلوق مثلاً فرشتے اور زمینی مخلوق جن و انس یہاں تک کہ سمندروں اور دریاؤں میں مچھلیاں اور بلوں میں لاکھوں کروڑوں چیونٹیاں تک اُس کے لئے دعا خیر کرتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

من سلك طريقاً يطلب فيه علماً سلك اللّٰه به طريقا من طرق الجنّة وإنّ الملائكة لَتَضَعُ اجنحتها رِضىً لطالب العلم وانّ العالم يستغفر لَه مَن فى السموات ومن فى الارض والحيتان فى جوف الماء وإنّ فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر علىٰ سائر الكواكب و اِن العلماء ورثة الانبياء وإنّ الانبياء لم يورّثوا ديناراً ولا درهما وانما ورثوا العلم ـ فمن اخذه اخذ بحظ وافر ـ (۳)

جو شخص کسی (لمبے یا مختصر) راستے کو علم دین حاصل کرنے کے لئے اختیار کرے اللہ تعالیٰ اُسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلاتا ہے اور بلاشبہ فرشتے طالب علم کی رضا کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں اور آسمانوں میں ہر چیز (مثلاً فرشتے) اور زمین پر ہر چیز (مثلاً جن وانس وغیرہ) اور (یہاں تک کہ) پانی (سمندر و دریاؤں) میں مچھلیاں عالم کے لئے استغفار کرتی ہیں۔ اور بلاشبہ ایک عالم کو (محض) ایک عبادت گزار پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر اور بلاشبہ علما حضرات انبیا (علیہم السلام) کے وارث ہیں اور (حضرات) انبیا (علیہم السلام) نے وراثت میں دنیار و درہم نہیں چھوڑے۔ اُنہوں نے ورثہ میں علم چھوڑا ہے۔ لہٰذا جس نے علم کی راہ اپنائی اُس نے (انبیا علیہم السلام) کی وراثت میں سے) خوب حصہ پایا۔

نیز ارشاد نبوی ہے۔

ان اللّٰہ و ملائکتہ، واھل السموات والارض حتی النملۃ فی جحرھا وحتی الحوت لیُصلون علیٰ معلم الناس الخیر۔ (۴)

بلاشبہ اللہ اور اُس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمین والے یہاں تک کہ اپنے بلوں میں چیونٹیاں اور مچھلیاں بھی لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والوں کے لئے دعا خیر کرتی ہیں۔

اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم

اسلام میں تعلیم کی اتنی زیادہ عظمت اور اُخروی زندگی میں حصول علم کے اتنے زیادہ اجر و ثواب کے باعث مسلمانوں کا علم کے ساتھ شغف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ دور ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ مسجد نبوی ﷺ صرف ایک عبادت گاہ نہ تھی جہاں بس پنج وقتہ نماز ادا کی جاتی ہو بلکہ وہ ایک دانش گاہ بھی تھی اور طلباء اسلام کی اقامت گاہ بھی۔ وہ سالکین کی تربیت گاہ و خانقاہ بھی تھی اور مقدمات کے فیصلوں کے لئے عدلیہ کا بنچ بھی۔ وہ مقننہ کی مشاورت گاہ بھی تھی اور سرکاری احکام کی تنفیذ کے سلسلے میں منتظمہ کا مرکزی مقام بھی۔

مسجد نبوی ﷺ کے آخر میں مسجد سے باہر قبلہ اوّل کی جانب ایک چبوترہ تھا جہاں وہ

غریب مہاجرین جن کا نہ کوئی گھر تھا نہ در، نہ کاروبار نہ زمین، نہ بیوی نہ بچے اور جو دینی علوم حاصل کرنے کے لئے شب و روز اس چبوترہ پر پڑے رہتے تھے۔ علم کے یہ متوالے علوم نبوت کے پہلے طالب علم تھے۔ اسلامی تاریخ کی اس پہلی اقامت گاہ Hostel کو صفہ اور فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے والے علم کے ان متوالوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے ان کی فاقہ مستی، غربت و بے بسی علم دوستی و اعلیٰ مراتب بیان کرتے ہوئے عام مسلمانوں کو ان کی مالی امداد کرنے پر اس طرح اُبھارا، ارشاد فرمایا:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمَاهُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌO(۵)

(صدقات) اصل حق اُن حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہیں، اللہ کی راہ میں اور (اسی وجہ سے) وہ لوگ کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف ان کو قناعت اور سوال سے بچنے کے سبب غنی سمجھتا ہے۔ (البتہ) تم ان کو ان کے طرز سے پہچان سکتے ہو (کہ فقر و فاقہ سے چہرہ پر اثر ضرور آجاتا ہے) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔ اور تم جو کچھ بھی کام کی چیز خرچ کرو گے سو اس کو اللہ جانتا ہے۔

علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلویؒ آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ان صدقات کے لئے زیادہ مستحق وہ فقرا ہیں کہ جن میں یہ پانچ باتیں پائی جاتی ہیں: ا۔ یہ کہ وہ خدا کی راہ میں بند کئے گئے ہوں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم پانے اور شب و روز یادِ الٰہی میں صحابی (یہ مہاجرین کے گروہ میں ایک خاص فرقہ تھا، جن کو اصحاب الصفہ کہتے تھے) گھر بار چھوڑ کر حضور میں حاضر رہتے تھے جن کے فیض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام عالم کو منور کیا۔ سو ان کا دینا علاوہ ثواب کے تائید و تقویتِ اسلام بھی ہے۔ اس لئے ہر زمانے میں طلبا و علما و خادمانِ دین کی خدمت ضروری سمجھی گئی۔ ۲۔ یہ کہ وہ ان وجوہ سے پاشکستہ ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ کہیں تجارت یا سوال کے لئے نہیں جا سکتے۔

۳۔اس فقر و فاقے پر بھی اس کشادہ پیشانی اور خرّمی سے گزارتے ہیں کہ ناواقف ان کو اس بے اعتنائی اور بے سوالی سے غنی سمجھتا ہے۔ ۴۔جس سے اُن کے چہروں پر انوارِ تقدس ایسے چمکتے ہیں کہ جن کو ہر ایک صاحب بصیرت پہچان لیتا ہے کہ یہ خاصان خدا اور محبوب کبریا ہیں۔ ۵۔ان میں صفت توکل غالب ہے۔ تمام سائلوں کی طرح سے دربدر بھیک مانگتے اور رستوں میں لوگوں سے لپٹتے نہیں (جیسا کہ آج کل چرس اور بھنگ پی کر گدائی کرنا ولایت اور کمال احمقوں میں سمجھا جاتا ہے)(۶)

اور یہ لوگ صرف علم ہی کے دھنی نہیں عمل کی دنیا کے بھی شہسوار تھے۔ جہاد میں شرکت کے شوقین اور اسلام پر اپنی جان قربان کر دینے کے ہر وقت متمنّی۔ رجب ۹ھ میں تبوک کا معرکہ پیش آیا۔ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل شاہ روم کو خط لکھ بھیجا کہ محمد (نعوذ باللہ) انتقال کر گئے ہیں اور مدینہ میں سخت قحط کی کیفیت ہے اور یہ مدینہ پر چڑھائی کا سنہری موقعہ ہے۔ ہرقل نے تحقیق حال کئے بغیر رومی سردار قباد کو ۴۰ ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کا حکم دے دیا۔ جب اس لشکر کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا تو زیتون کے تیل کی فروخت کے لئے جو نبطی سوداگر مدینہ آیا کرتے تھے اُن کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی۔ آپ ﷺ نے فوراً اس ممکنہ حملہ کی پسپائی کے لئے اسلامی لشکر کی تیاری کا حکم دے دیا تاکہ دشمن کی سرحد تبوک پہنچ کر دشمن کا مقابلہ کیا جاسکے۔ مسافت طویل تھی۔ سخت گرمی کا موسم اور پھر مسلمانوں کی بے سروسامانی۔ پھر بھی مسلمانوں نے دل کھول کر اس جہاد کے لئے چندہ دیا۔ یہی غزوہ ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا کل مال جہاد کے لئے پیش کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے کل مال کا نصف، حضرت عثمان غنیؓ نے مع سازوسامان تین سو (۳۰۰) اونٹ اور ایک ہزار دینار (حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے مسرور ہوئے کہ بار بار فرماتے کہ اس عمل کے بعد عثمانؓ کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ اے اللہ میں عثمانؓ سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو جا) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دو سو اوقیہ چاندی پیش کی اور عاصم بن عدیؓ نے ستر (۷۰) وسق کھجوریں اور دیگر صحابہؓ نے جو کچھ بھی اُن سے ہو سکا۔ مگر پھر بھی اتنی سواریاں فراہم نہ ہو سکیں کہ اس غزوہ میں شرکت کی سعادت کے متمنی تمام صحابہؓ اور بالخصوص ان اصحاب صفہ کو سواریاں دی جاسکتیں۔ ان میں سات اصحابؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور جہاد میں شرکت کے لئے سواریوں کی

درخواست کی کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے اور وہ اس سعادت سے محروم نہ رہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کردوں تو واپس ہوتے ہوئے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ قرآن کریم نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلاَّ يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ ○ (۷)

اور نہ اُن لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ اُن کو سواری دے دیں اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کروں تو وہ (ناکام) اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں، اس غم میں کہ (افسوس) کہ ان کو خرچ کرنے کو کچھ میسر نہیں۔

اِن سات حضرات میں حضرت سالم بن عمیرؓ، حضرت ابو لیلیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ بھی تھے۔ یہ اخیر الذکر دو اصحابؓ روتے ہوئے جارہے تھے کہ حضرت یامین نضریؓ سے راستے میں ان کی ملاقات ہوئی جنہوں نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی اور جب انہوں نے پوری بات بتائی تو حضرت یامینؓ نے انہیں ایک اونٹنی اور کچھ کھجوریں زادراہ کے طور پر دیں اور اس طرح یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہَ میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے۔ اور انہی سات اصحاب میں حضرت عتبہ بن زیدؓ بھی تھے جو اگرچہ شریک غزوہ نہ ہوسکے تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت بیان فرمائی۔ اصحاب صفہؓ کے علمی شغف اور تقویٰ و زہد کے باعث کبھی غیر مہاجر اصحاب بھی ان کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا رکھتے، مثلاً حضرت ابوسعید خدریؓ کے متعلق حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں تصریح کی ہے کہ وہ اگرچہ انصاری تھے تاہم اختیاری فقر و زہد کو اختیار کرتے ہوئے انہوں نے اصحاب صفہ کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کو پسند کیا تھا۔

علم کے اِن متوالوں اور زہد کے ان شہسواروں کی تعداد کم اور زیادہ ہوتی رہتی تھی۔ کبھی کبھی یہ تعداد چار سو تک پہنچ جاتی تھی، جیسا کہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی مشہور عالم

کتاب عوارف المعارف میں لکھا ہے اور کبھی کم ہو جاتی تھی۔ ان اصحاب صفہؓ میں ممتاز شخصیات حضرت ابوہریرہؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابولبابہؓ کی تھیں، جن سے مسلمانوں میں دینی علوم خوب پھیلے۔ ایک حضرت ابوہریرہؓ ہی جو اس دور کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے اور صحابہؓ و تابعین میں ۸۰۰ سے زائد اُن کے شاگرد تھے ۵۳۷۴ احادیث اپنے مبارک سینہ میں محفوظ رکھتے اور ان کی روایت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، اور امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، جیسی ممتاز ہستیوں نے اُن سے علم حاصل کیا ہے۔ حافظ ابونعیمؒ اپنی مشہور عالم کتاب حلیۃ الاولیا میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> **وھو (یعنی اباھریرہ) اشھر من سکن الصفّہ و استو طنھا طول عمر النبی صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم ولم ینتقل عنھا و کان عریف من سکن الصفّۃ ...... کان النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اراد ان یجمع اھل الصفّۃ لِطعام حضرتہ ، تقدّم اباھریرۃ لیدعوھم ویجمعھم لمعرفتہ بھم منازلھم ومراتبھم ......**
>
> اور وہ (یعنی حضرت ابوہریرہؓ) صفہ میں قیام کرنے والوں میں سب سے زیادہ مشہور تھے۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات دنیوی رہے حضرت ابوہریرہؓ صفہ ہی میں رہے اور وہاں سے منتقل نہیں ہوئے۔ جو لوگ صفہ میں اقامت کرتے حضرت ابوہریرہؓ انہیں خوب جانتے تھے۔ جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کو کھانے کے لئے بلاتے حضرت ابوہریرہؓ کے پاس جاتے اور اُن سے ارشاد فرماتے کہ انہیں بلالاؤ اور ایک جگہ اکھٹا کرو کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ اُن سب کو خوب جانتے تھے اور اُن کے مراتب کے خوب آشنا تھے۔

ان اصحاب صفہ کی تعداد مختلف کتب میں مختلف آئی ہے۔ حافظ ابونعیمؒ نے حلیۃ الاولیا میں ۱۴۳ اصحابؓ کے نام لکھے ہیں، جبکہ مشہور محدث ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نے مستدرک میں درج ذیل ۳۶ نام بیان کئے ہیں۔(۸)

۱۔ابو عبیدہ عامر بن الجراحؓ، ۲۔ عمار بن یاسر ابو الیقظانؓ، ۳۔ عبد اللہ بن مسعودؓ، ۴۔ مقداد بن عمروؓ، ۵۔ خباب بن ارتؓ، ۶۔ بلال بن رباحؓ، ۷۔ صہیب بن سنانؓ، ۸۔ حضرت عمرؓ کے بھائی زید بن الخطابؓ، ۹۔ ابو مرثد کنّاز بن حصین عدویؓ، ۱۰۔ ابو کبشہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۱۱۔ صفوان بن بیضاءؓ، ۱۲۔ ابو عبس بن جبرؓ، ۱۳۔ سالم موسیٰ ابو حذیفہؓ، ۱۴۔ مسطح بن اثاثہؓ، ۱۵۔ عکاشہ بن محصن، ۱۶۔ مسعود بن ربیع، ۱۷۔ عمیر بن عوفؓ، ۱۸۔ عویم بن ساعدہؓ، ۱۹۔ ابو لبابہؓ، ۲۰۔ سالم بن عمیرؓ، ۲۱۔ ابو بشر کعب بن عمروؓ، ۲۲۔ خبیب بن سیافؓ، ۲۳۔ عبد اللہ بن انیسؓ، ۲۴۔ ابو ذر غفاری جندب بن جنادہؓ، ۲۵۔ عتبہ بن مسعود ہذلیؓ، ۲۶۔ عبد اللہ بن عمر (قبل نکاح)، ۲۷۔ سلمان فارسیؓ، ۲۸۔ حذیفہ بن الیمانؓ، ۲۹۔ ابو الدرداءؓ، ۳۰۔ عبد اللہ بن زید جہنیؓ، ۳۱۔ حجاج بن عمرو اسلمیؓ، ۳۲۔ ابو ہریرہ دوسیؓ، ۳۳۔ ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ، ۳۴۔ معاذ بن الحارثؓ، ۳۵۔ سائب بن خلاد، ۳۶۔ ثابت بن ودیعہؓ،

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری نے آج کے علوم دینیہ کے ماہرین کا ان اصحاب صفہ سے مقابلہ کرتے ہوئے صحیح لکھا:

''قرنِ اوّل کے مسلمانوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر علوم اسلامیہ کو حاصل کیا اور دنیاوی مشغلوں کو چھوڑ کر یا کم کر کے اسلام سیکھنے کے لئے اوقات فارغ کئے۔ پھر اِن علوم کو پھیلانے اور دوسروں تک پہنچانے میں بڑی ہمت اور حوصلہ سے کام لیا اور اسلام کی تبلیغ کے لئے ملک در ملک اور شہر بہ شہر پھیل گئے۔

اصحاب صفہ کو لے لیجئے کہ دین حاصل کرنے کے لئے برسوں درسگاہ نبوی ﷺ میں بھوکے پیاسے پڑے رہے۔ فاقوں پر فاقے ہیں پھر بھی مست اور مگن ہیں۔ کپڑے نہیں ہیں پھر بھی خوش ہیں۔ گھر در نہیں پھر بھی ہشاش بشاش ہیں۔ اگر یہ حضرات چاہتے تو صفہ کو چھوڑ کر اور اسلام کے مدرس اعلیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے جدا ہو کر کاروبار میں لگ جاتے اور شہروں میں منتشر ہو کر کھاتے کماتے۔ مکان بناتے، مزے اُڑاتے لیکن چونکہ انہوں نے کھانے پینے اور کسب کرنے کو زندگی کا مقصد نہیں سمجھا تھا اور مکانات بنانے کو دنیا میں آنے کی غرض نہیں بنایا تھا۔ اس لئے اِن چیزوں کے پاس نہ ہونے سے ذرا نہ گھبراتے تھے۔ چونکہ قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا اُن کی غذا تھی۔ اللہ کا ذکر اُن کا مشغلہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات محفوظ کرنا ان کی اہم آرزو تھی اس لئے اِن چیزوں میں اگر اپنی کوتاہی دیکھتے تو پریشان ہوتے تھے کیونکہ مقصدِ

زندگی فوت ہوتا نظر آتا تھا۔

ان حضرات نے آخرت سامنے رکھی۔ اپنے باطن کو محبت خداوندی سے معمور کیا۔ آخرت کے غنا کی آرزو میں فقر و فاقے کو اختیار کیا۔ جنت کے محلوں کو دنیا کے مکانوں پر ترجیح دی اور آخرت کے حساب سے بچنے کے لئے دنیاوی ساز و سامان سے منہ موڑا اور درسگاہ نبوی ﷺ کے بھوکے پیاسے طالب علم بن کر اُمت کے اُستاد اور مقتدا اور قیامت آنے تک اُمت کی طرف سے رضی اللہ عنہم کی دعا کے مستحق ہوگئے اور آخرت میں اپنا یہ مقام حاصل کیا کہ مالداروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہونے کا شرف ملا اور ان کی عزت بڑھانے کے لئے سیّد المخلوقات صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اُن کے ساتھ بیٹھے رہا کرو۔ دنیا سے منہ موڑا، اللہ سے رشتہ جوڑا یہ اللہ کے ہوگئے۔ اللہ اُن کا ہوگیا۔ علوم کے سمندر پی گئے۔ معارف کے معدن بن گئے۔ ننگے بھوکے تھے مگر اللہ کے پیارے تھے۔ روٹی سے پیٹ خالی تھا لیکن ایمان و یقین سے دل لبریز تھا۔ قربانی دی اس کا پھل ملا۔ فانی دنیا چھوڑ گئے۔ باقی کے حقدار ہوگئے۔ آج اسلام زندگیوں سے نکلا ہوا ہے۔ علوم اسلامیہ کے محافظ بس کاغذ بن گئے ہیں۔...... علوم قرآن و حدیث کو قابل تحصیل نہیں سمجھا جاتا بلکہ فلسفہ اور جغرافیہ، سائنس اور دیگر دنیاوی علوم کے لئے زندگیاں وقف ہیں"۔(۹)

علوم کی تدوین

خلفاء راشدینؓ، کبار صحابہؓ و تابعینؒ کو اپنے اپنے دور میں اس کا پورا پورا احساس تھا کہ تدوین قرآن، تدوین حدیث و تدوین فقہ جس طرح ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی و علوم اسلامیہ کی ترویج و ترقی کے لئے ناگزیر ہے اسی طرح دیگر علوم تک رسائی بھی اس کے بغیر ممکن نہیں اور اس میں ازواج مطہراتؓ بناتِ طاہراتؓ و عام صحابیاتؓ بھی ان کی ہم نوا تھیں۔ چنانچہ قرنِ اوّل میں جس طرح خلفاء اربعہؓ کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ کی مساعی قابل ذکر ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت امّ سلمہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت فاطمہ بنت قیسؓ اور حضرت سبیعۃ الاسلمیۃؓ اور دیگر متعدد صحابیاتؓ کے اسماگرامی بھی قابل لحاظ ہیں۔

تدوین قرآن و تدوین حدیث کے کام ساتھ ساتھ چلتے رہے گو تدوین قرآن کے کام کو

اوّلیت حاصل رہی۔ تدوین فقہ کا کام تحریک کی صورت میں ذرا بعد میں شروع ہوا۔ دور نبوی ﷺ میں نزول کے بعد قرآنی آیات کھجور کی شاخوں، چمڑے کے ٹکڑوں، پتھر کی پتلی تختیوں، پالان کی لکڑیوں اور اونٹ یا بکریوں کی چوڑی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں کہ تحریر کے لئے آج کی طرح کاغذ دستیاب نہ تھا۔ یہی صحیفے یا تختیاں ہیں جن کا ایک تفسیر کے مطابق اِس قرآنی آیت میں ذکر ہے۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ○ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ ○ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ م ○ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ○ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ○ (۱۰)

ہرگز ایسا نہ کیجئے (کہ کسی کے کچھ پوچھنے پر آپ ﷺ ترش روئی اختیار کرلیں یا منہ موڑلیں) قرآن نصیحت کی چیز ہے۔ سو جس کا جی چاہے اُس کو قبول کرے، وہ ایسے صحیفوں میں ہے جو مکرم ہیں بلند مرتبہ ہیں، مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں کہ وہ مکرم نیک ہیں۔

حضرت امام رازیؒ اس آیت کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَالسَّفِرة الکرام البررة هُم اَصحابُ رسول الله علیه وسلم وقیل هم القراء۔ (۱۱)

آیت میں جو السفرۃ الکرام البررہ (کہ یہ قرآنی صحیفے ایسے کاتبوں کے ہاتھ میں ہیں جو بزرگ اور نیک کردار ہیں۔) ہے اس سے مراد صحابہ کرامؓ (کاتبین وحی) ہیں اور بعض نے کہا کہ حفّاظ قرآن مراد ہیں۔

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی جو یہ روایت نقل کی ہے۔

کُنّاعند رسول الله صلّی الله علیه وسلّم نؤلّف القرآن من الرقاع الحدیث۔ (۱۲)

کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مجید کو پرزوں اور ٹکڑوں سے لے کر جمع کرتے تھے۔

اُن پرزوں اور ٹکڑوں سے مراد یہی صحیفے اور تختیاں ہیں، جن پر پورا قرآن مجید مختلف آیتوں کے نزول کے وقت (بعض محض چند آیات کی شکل میں اور بعض سورتوں کی شکل میں) تحریر شدہ محفوظ تھا۔

تدوین قرآن مجید

دنیا بھر میں آج جو قرآن مجید بغیر کسی لفظی و صوری اختلاف اور بغیر کسی زیر و زبر کے اختلاف کے ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہ پانچ مراحل کی مختلف کوششوں کے نتیجے میں ہمارے ہاتھوں تک پہنچ سکا ہے۔

۱۔ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: یہی آیات سورتوں کی ترتیب کے بغیر مختلف پرزوں، ٹکڑوں، تختیوں، چوڑی ہڈیوں پر کاتبین وحی کے ذریعے لکھا ہوا پورا قرآن مجید جس کی جمع و ترتیب کا اور سارے اسلامی مفتوحہ علاقوں میں اُسے پھیلا دینے کا کام بعد کے ادوار میں ہونا تھا۔

۲۔ دور حضرت ابو بکر صدیق ؓ: ۱۱ھ تا ۱۳ھ (۶۳۳ تا ۶۳۴ء): حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تدوین قرآن مجید کے سلسلے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> **وَقد اَعلم اللّٰہ تعالیٰ فی القرآن بانّہ مجموع فی قولہٖ یتلوا صحفا مطھرۃ الآیۃ وکان القرآن مکتوباً فی الصَّحف لکن کانت مُفرّقۃ فجمعھا ابوبکرؓ۔ (۱۳)**
>
> (یعنی سورۃ البینہ آیات ۲۔۳ میں جو ارشاد باری ہے:
>
> **رسولٌ من اللّٰہ یتلو اصحفا مُطھَّرۃ فیھا کتبٌ قیمہ۔**
>
> ایک اللہ کا رسول جو (ان کو) پاک صحیفے پڑھ کر سنادے جن میں درست مضامین لکھے ہوں۔ اس میں اللہ پاک نے بتایا کہ وہ پورا قرآن مجید ان صحیفوں میں ہے مگر یکجا نہ تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اُن صحیفوں کو یکجا کر دیا۔)

جنگ یمامہ میں متعدد حفاظِ قرآن شہید ہوگئے تھے۔ خلافت کا بار سنبھالتے ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ جمع و ترتیب کے بغیر کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ صحیفے ضائع ہو جائیں مگر جمع و ترتیب کا کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا تھا انہیں اُس کے کرنے میں خوف محسوس ہوتا تھا اور ہمت نہ ہوتی تھی، حضرت عمر فاروقؓ کے بار بار کہنے پر کہ یہ ایک اچھا اور مفید کام ہے حضرت صدیق اکبرؓ کو اس کام کی ہمت ہوگئی اور اس کی مصلحت سمجھ میں آگئی۔ چنانچہ

آپ نے کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر اُن سے ایسا کرنے کو کہا۔ شروع میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی پوری طرح اس کام کی اہمیت و مصلحت سے آشنا نہ تھے مگر پھر وہ بھی متفق ہوگئے اور اُن صحیفوں کو یکجا کرنا شروع کیا۔ یہ تمام منتشر پرزے، ٹکڑے اور صحیفے جمع کئے گئے اور اس طرح حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے قرآن کریم کا ایک نسخہ تیار کرلیا۔ یہ مکمل قرآنی نسخہ حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کے سرکاری خزانے میں اور بعدہ حضرت عمرؓ کے قبضے میں آیا اور پھر حضرت حفصہؓ کے پاس آیا۔

۳۔ دور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ : ۱۳ تا ۲۴ھ (۶۳۴ تا ۶۴۵ء) اس مبارک دور میں تین اہم کام ہوئے، پہلا کام سرکاری طور پر قرآن کریم کے معلموں اور قاریوں کا تقرر اور سرکاری خزانے سے ان کو تنخواہوں کی ادائیگی کا اہتمام۔ دوسرا کام مفتوحہ ممالک میں ماہرین قرآن بھیجنا اور قرآنی تعلیمات عام کرنا۔ آپ کی اسی تعلیمی پالیسی کے تحت حضرت عبادہ بن صامتؓ کا حمص (شام)، حضرت معاذ بن جبلؓ کا بیت المقدس اور حضرت ابوالدرداءؓ کا دمشق میں طویل عرصہ قیام رہا اور حضرت ابوالدرداءؓ کے حلقۂ درس قرآن کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دن اتفاقاً اُن طلبا کا شمار کیا گیا جو پورا قرآن حفظ کرنے کے بعد قرآنی مطالب کا درس لے رہے تھے تو ایسے حفاظ کی تعداد ۱۶۰۰ تھی اور تیسرا اہم کام حضرت عمر فاروقؓ نے یہ کیا کہ فوجی افسران میں تعلیم قرآن کو عام کیا تاکہ مسلم مفتوحہ علاقوں میں قرآنی تعلیمات عام ہوسکیں۔ چنانچہ آپ نے تمام فوجی افسران کو خطوط لکھے اور جلد ہی اس کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ صرف ایک حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی فوج میں تین سو حفاظِ قرآن موجود تھے۔ اور اگر کوئی اُستاد صحیح نہ پڑھا سکتا تو آپ فوراً متبادل انتظام فرمادیتے تھے۔ چنانچہ حضرت علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین برہان پوری (م ۹۷۵ھ) (۱۴) نے روایت نقل کی:

عن ابی ملیکة قال قدم اعرابی فی زمانِ عمر ...... فامر عمر بن الخطاب ان لایقرئ الناس اِلاّ عالم باللّغة۔ (۱۵)

کنز العمال کی اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بقول حضرت ابوملیکہؓ ایک دیہاتی حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں (مدینہ) آیا اور اُس نے کہا:

مَن یُقرئنی مِمّا انزلَ اللّٰہ عَلٰی محمد ؟

کون ہے جو مجھے محمد پر نازل شدہ قرآن پڑھائے؟

ایک صاحب نے اُسے سورۃ البرأۃ (سورۂ توبہ) پڑھاتے ہوئے تیسری آیت ان اللّٰہ بَرِیٔ' من المشرکین و رسوله' میں رسوله' کے لام پر پیش پڑھنے کے بجائے لام کے زیر کے ساتھ رسولہٖ پڑھ دیا جس سے معنی بدل گئے اور خطرناک حد تک مختلف ہوگئے۔ لام پر پیش کے ساتھ صحیح طور پر پڑھا جاتا تو معنی تھے کہ بلاشبہ اللہ اور اُس کا رسول ﷺ مشرکین سے بری اور بیزار ہیں اور اب لام کو غلط طور پر زیر کے ساتھ پڑھنے سے معنی یہ ہوگئے کہ اللہ مشرکین اور اپنے رسول دونوں سے بیزار ہے۔ اس پر اُس دیہاتی نے گستاخانہ انداز میں کہا کہ اگر اللہ اپنے رسول سے بری اور بیزار ہے تو میں بھی اُس کے رسول سے بیزار ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو دیہاتی کی اس گستاخی کا علم ہوا تو آپ نے اُس سے پوچھا کہ اے اعرابی اتبرأ من رسول اللّٰہ کیا تو رسول اللہ سے بیزار ہے۔ اعرابی نے کہا اے امیر المومنین! انّی قَدمت المدینة ولاعلم لی بالقرآن فسألت مَن یُقرئنی ...... میں مدینہ آیا۔ مجھے قرآن نہ آتا تھا۔ میں نے پوچھا ہے کوئی جو مجھے قرآن پڑھائے تو اُس نے مجھے سورۃ البرأۃ (توبہ) اس طرح پڑھائی تو میں نے کہا کہ اگر اللہ اپنے رسول ﷺ سے بیزار ہے تو میں اُن کے رسول سے اُس سے زیادہ بیزار ہوں۔ تب حضرت عمر فاروقؓ نے آیت صحیح طور پر پڑھ کر اس اعرابی سے کہا آیت اس طرح ہے اور صحیح مطلب اس طرح ہے اور آپ نے حکم جاری فرمایا

اَن لَا یُقری الناس اِلّا عالم باللُّغة۔

کہ لوگوں کو قرآن صرف وہ پڑھائے جو عربی لغت کا بھی عالم ہو اور آپ نے ابوالاسود کو حکم دیا کہ وہ نحو کا طریقہ وضع کرے۔

۴۔ دورِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ : ۲۴ تا ۳۵ھ (۶۴۵ تا ۶۵۵ء) اس دور میں تدوین قرآن کے سلسلے میں تین اہم کام ہوئے: پہلا کام یہ ہوا کہ قرآن کریم کا وہ مدوّن و مکمل نسخہ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں سرکاری طور پر حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ نے حافظوں کی مدد سے تیار کیا تھا اور وہ حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خزانے میں تھا اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے پاس اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے پاس آیا، حضرت عثمان غنیؓ نے وہ نسخہ حضرت حفصہؓ سے منگوایا اور چار مختلف صحابہؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت

عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ سے اُس کے چار نسخے نقل کرائے اور مختلف مفتوحہ علاقوں میں بھیجے۔ بعض محققین نے فرمایا حضرت عثمان غنیؓ نے اس وقت کے بارہ قریش وانصار پر مشتمل ماہرین قرآن کی ایک مجلس القرأ تشکیل دی جس کے سربراہ حضرت اُبی بن کعبؓ تھے۔ جنہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے وحی لکھنے کا شرف حاصل کیا۔ اس بارہ رکنی مجلس القرأ نے یہ کام سرانجام دیا۔ حضرت ابی بن کعبؓ قرآنِ کریم کے الفاظ بولتے جاتے اور حضرت زید بن ثابتؓ لکھتے جاتے تھے اور آج دنیا میں جس قدر قرآنی نسخے موجود ہیں وہ سب حضرت اُبی بن کعبؓ کی اسی قرأت کے مطابق ہیں۔

انفرادی طور پر بعض اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تدوین قرآن کا کام سرانجام دیا تھا اور ان غیر سرکاری مساعی کے نتیجے میں مصحف عبداللہ بن مسعودؓ، مصحف علیؓ بن ابی طالب و مصحف عائشہؓ وغیرہ قرآنی نسخے بھی موجود تھے۔ مگر ضرورت تھی کہ قرأت مشہورہ کے موافق مرتب کردہ صرف ایک نسخہ دنیا میں پھیلے اور مختلف قرأتوں میں پڑھے جانے والے دوسرے نسخے تلف کردیئے جائیں تاکہ انتشار سے بچا جاسکے اور یہ دوسرا اہم کام تھا جو حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں انجام پایا کہ غیر مرتبہ تمام نسخے تلف کردیئے گئے اور بقیہ کے لئے حکم ہوا کہ اُن سے کام نہ لیا جائے، چنانچہ حضرت علامہ جلال الدین السیوطیؒ فرماتے ہیں۔

اِنّما حمل عثمان الناسَ علی القراء ۃ بوجہ واحد

حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو ایک قرأت کے مطابق تلاوت کرنے کی ترغیب دی۔

تیسرا اہم کام حضرت عثمانؓ کے دور میں یہ انجام پایا کہ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں مرتب کردہ قرآنی نسخے میں آیات تو مرتب تھیں باہم سورتیں کسی خاص نہج پر مرتب نہ تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے طویل و مختصر سورتوں میں یہ ترتیب رکھی کہ ایک خاص ترتیب کے ساتھ طویل سورتیں شروع میں اور مختصر اخیر میں رکھدیں، چنانچہ علامہ عینیؒ شرح بخاری میں ارشاد فرماتے ہیں:

وکانت سورٌ مفرقۃ ۔ کلّ سُورۃٍ مُرتبۃٌ بآ یا تھا عَلیٰ حِدۃ لکن لم یُرتب بَعضھا اثر بَعض ۔ فَلَما نسخت وَرتب بعضھا اثر بعض صَارت مُصحفاً وَلم یکن مُصحفاً اِلاّ فی عھد عثمان ۔(۱۶)

کہ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانے میں جو صحیفے و اوراق جمع کئے گئے وہ متفرق سورتیں تھیں کہ آیات تو مرتب تھیں لیکن سورتیں باہم مرتب نہ تھیں۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں جب اِن آیات کی نقل لی گئی اور سورتوں میں آگے پیچھے ایک ترتیب قائم کی گئی تو یہ نسخہ مصحف کہلایا۔ (جبکہ حضرت عثمان غنیؓ کے دور سے پہلے اِسے مصحف نہ کہا جاتا تھا) اور یہی نسخہ پھر پوری دنیا میں پھیل گیا۔

۵۔ اقدامات برائے تسہیل تلاوت: ان تمام مساعی کے باوجود اب تک قرآنی نسخوں میں نہ نقطے تھے۔ نہ اعراب (زبر زیر پیش جزم ہمزہ، تشدید وغیرہ) نہ رکوع، نہ پارے نہ منزلیں اور نہ رموزِ اوقاف (ص۔ م۔ لا۔ ط۔ ج۔ وقفہ۔ سکتہ۔ قف۔ وغیرہ) اور یہ صورت تقریباً چالیس سال تک رہی۔ عرب قارئین کو اس کی اس لئے ضرورت نہ پیش آئی کہ وہ بغیر نقطوں اور اعراب کے عربی عبارتیں پڑھنے کے عادی تھے۔ اُنہیں اس میں نہ کوئی تکلف تھا نہ دشواری۔ لیکن جب اسلام غیر عرب ممالک میں پھیلنے لگا تو اب قرآنی عبارتوں پر نقطوں اور زبر زیر پیش وغیرہ کی اہمیت محسوس ہوئی کہ عجمی ممالک کے لوگ اس کے بغیر تلاوتِ قرآن نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے الفاظ پر نقطے لگانے کا اہتمام کیا گیا۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ اس بارے میں چند اقوال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اختلف فی نقط المصحف و شکله، ویقال اوّل من فعل ذلك ابوالا سود الدّولی بامر عبدالملك ابن مروان وقیل الحسن البصریؒ ویحیی بن یعمر وقیل نصربن عاصم اللیثی وَاوَّل من وضع الهمز و التشدید والروم والا شمام الخلیل ...... (۱۷)

قرآنی نسخوں میں نقطے لگائے جانے اور اُن نقطوں کی شکلوں اور نوعیتوں کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے یہ کام سب سے پہلے ابوالاسود الدوّلی نے سرانجام دیا۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت حسن بصریؒ اور یحیٰی بن یعمرؒ نے یہ کام کیا۔ بعض نے کہا نصر بن عاصم لیثیؒ نے یہ کام سرانجام دیا۔ سب سے پہلے جس نے ہمزہ، تشدید، روم،

اشمام، وضع کیں وہ حضرت خلیلؒ تھے۔......

پھر الفاظِ قرآن پر مختلف حرکات زبر، زیر، پیش، جزم وغیرہ لگائی گئیں۔ پھر اس کی احزاب و منزلیں مقرر ہوئیں کہ ایک ہفتے میں پورے قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکے۔ اس طرح کہ آغاز تلاوت بروز جمعہ ہو از اوّل قرآن تا اخیر سورۃ النساء (تقریباً ۲۵ء۵ پارے)، بروز ہفتہ از اول سورۂ المائدۃ تا اخیر سورۃ التوبہ (تقریبا ۰۰ء۵ پارے) بروز اتوار از اول سورۃ یونس تا اخیر سورۃ النحل (تقریباً ۷۵ء۳ پارے) بروز پیر از اوّل سورۃ بنی اسرائیل تا اخیر سورۃ الفرقان (تقریباً ۲۵ء۴ پارے)، بروز منگل از اوّل سورۃ الشعراء تا اخر سورۃ یٰسین (تقریباً ۰۰ء۴ پارے)، بروز بدھ از اوّل سورۃ الصٰفٰت تا اخیر سورۃ الحجرات (تقریباً ۵۰ء۳ پارے) اور پورے ہفتہ کا اخیر دن جمعرات از اوّل سورۃ ق تا اخیر قرآن (تقریباً ۲۵ء۴ پارے) اب ان کو اس طرح جمع کرلیں۔ ۲۵ء۵+ ۰۰ء۵+۷۵ء۳+۲۵ء۴+۰۰ء۴+۵۰ء۳+۲۵ء۴=۳۰ قرآنی پارے قرآن کریم کی سات منزلوں کے تعین کو آسان طور پر سمجھانے کے لئے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ۳۔۵۔۷۔۹۔۱۱۔۱۳ کے اعداد میں دو دو کا اضافہ ہے، جب آپ نے تلاوت قرآن کا آغاز جمعہ کے دن کیا تو علاوہ سورۃ الفاتحہ ۳ سورتیں پڑھیں اور آپ کی منزل سورۃ النساء پر ختم ہوگئی۔ اس سورت کا نمبر ۴ ہے۔ اس میں ۵ کا اضافہ کرلیں ۹ کا عدد بن جائے گا اور یہ سورۃ التوبہ کا نمبر ہے۔ جس پر ہفتہ کی منزل ختم ہوگی۔ پھر ۷ کا اضافہ کرلیں ۱۶ کا عدد بن جائے گا اور یہ سورۂ النحل کا نمبر ہے۔ جس پر آپ کی اتوار کی منزل ختم ہوئی، اب اس پر ۹ کا اضافہ کرلیں ۲۵ کا عدد بن جائے گا جو سورۃ الفرقان کا نمبر ہے۔ جس پر پیر کی منزل ختم ہوگی۔ اب اس پر ۱۱ کا اضافہ کرلیں ۳۶ کا عدد بن جائے گا جو سورۃ یٰسین کا نمبر ہے۔ جس پر آپ کی منگل کی منزل ختم ہوگی۔ اب اس پر ۱۳ کا اضافہ کرلیں تو ۴۹ کا عدد بن جائے گا جو سورۃ الحجرات کا نمبر ہے، جس پر آپ کی بدھ کی منزل ختم ہوگی اور پھر بروز جمعرات سورۃ ق سے ساتویں منزل شروع ہوکر آخر قرآن یعنی سورۃ الناس پر ختم ہوگی، اس طرح بروز ہفتہ ۵ کا اضافہ ہوا (۴+۵=۹) بروز اتوار ۷ کا اضافہ (۹+۷=۱۶) بروز پیر ۹ کا اضافہ (۱۶+۹=۲۵) بروز منگل ۱۱ کا اضافہ (۲۵+۱۱=۳۶) بروز بدھ ۱۳ کا اضافہ (۳۶+۱۳=۴۹) اور بروز جمعرات سورۃ نمبر ۵۰ (ق) تا آخر قرآن۔ حفظ قرآن و ناظرہ قرآن کے طالبوں کی سہولت کے لئے پھر قرآن کریم کو پاروں اور رکوع میں تقسیم کردیا گیا اور رکوع میں تقسیم کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا کہ ترتیب اس طرح ہو کہ ایک رکوع میں ایک قرآنی مضمون ادا ہو جائے اور اگر ہم رمضان المبارک

میں نماز تراویح میں فی رکوع فی رکعت کے حساب سے تلاوت کریں تو (تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ) ۲۷ دیں شب میں ختم قرآن کی سعادت حاصل ہو جائے۔ حضراتِ مشائخؒ کی مساعی جمیلہ کا اس سلسلے میں ذکر کرتے ہوئے فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔ (۱۸)

ان المشائخ رحمهم الله جعلوا القرآن علىٰ خمسمأة واربعين ركوعاً واعلموا ذلك فى المصاحف حتّٰى يحصل الختم فى ليلة السابع والعشرين۔

کہ حضرات مشائخ رحمھم اللہ نے قرآن کریم کو ۵۴۰ رکوعوں پر تقسیم کر دیا اور مصاحف میں اُس کی علامتیں بنا دیں تاکہ (رمضان میں تراویح میں) ۲۷ ویں شب کو ختم قرآن ہو سکے۔

اسی طرح اخماس واعشار کی علامتیں کہ ہر پانچ آیات کے بعد خمس کی علامت "خ" اور ہر دس آیات کے بعد عشر کی علامت "ع" مصحف میں لکھتے تھے تاکہ قاری کو بوقت تلاوت سہولت محسوس ہو اور پہچان ہو۔ اسی طرح رموز اوقاف کی علامات کہ تلاوت کرتے ہوئے کہاں وقف کرنا اور رکنا لازم ہے، کہاں جائز اور کہاں بغیر رکے پڑھنا ہے وغیرہ۔ اس کے لئے علامات "ط" (وقف مطلق)، "ج" (وقف جائز)، "ز" (وقف مجوّز)، "ص" (وقف مرخص)، "م" (وقف لازم)، وغیرہ قاری کی سہولت کے لئے لکھ دیئے جاتے ہیں، اور مصحف کے آخر میں ان سب علامات کی پوری پوری تشریح کر دی جاتی ہے۔ تاکہ تلاوت صحیح طریقے پر ہو۔

تدوین قرآن مجید کے سلسلے میں یہ پانچ اہم مراحل تھے جن کے بعد اب قرآن پاک ہر طرح کے لفظی وصوری اختلاف سے پاک اور قرأت کی تمام سہولتوں سے آراستہ ہو گیا ہے۔

قرآنی علوم

قرآنی آیتوں اور سورتوں کی تدوین وترتیب اور متن قرآن مجید کی حفاظت کے لئے صحابہؓ و تابعینؒ کی مساعی ابتدائی اور اہم بنیادی مرحلہ تھا، جو اسلام کے شروع کے ادوار میں بحسن وخوبی انجام پایا۔ دوسرا ایسا ہی اہم مرحلہ علوم قرآن کی دریافت اور اس نسخہ ہدایت کی روشن ہدایات و تعلیمات میں تعمق اور قرآنی آیات سے مختلف علوم کا استنباط تھا، جس پر بعد کے اہل علم نے بطور خاص توجہ دی۔ قرآن کریم نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنے لئے چار الفاظ استعمال کئے۔

تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ O (۱۹)

ا۔ تمام باتوں کا بیان کرنے والا، ۲۔ مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت، ۳۔ بڑی رحمت اور ۴۔ خوشخبری سنانے والا۔

آیت میں تبیانا لکل شئی (کہ قرآن کریم تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے) کی تشریح کرتے ہوئے صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں:

قدبیّن لنافی ھذا القرآن کل علم و کل شئیٍ۔

کہ اللہ پاک نے اس قرآن کریم میں ہمارے لئے ہر علم کو بیان فرمادیا ہے اور یہ ہر چیز کا بیان ہے۔

ایک اور موقعہ پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

من ارادا لعلم فعلیه بالقرآن فان فیه خبرالاوّ لین والآخرین

علم جس کا مطلوب ہے اُسے چاہیئے قرآن کی طرف رجوع کرے کہ اس میں اوّلین و آخرین کا علم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے خاص شاگرد حضرت مجاہد (۲۱ تا ۱۰۳ھ) اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کلّ حلال و کلّ حرام۔

یعنی اس قرآن کریم میں ہر حلال اور ہر حرام چیز کا بیان ہے۔

حضرت علامہ ابن کثیرؒ ان دونوں اقوال کا موازنہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وقول ابن مسعودؓ اعمّ و اشمل فانّ القرآن اِشتمل علیٰ کل علم نافع من خبرما سبق وعلم ماسیاتی وکلّ حلال و حرام وما الناس الیه محتاجون فی امر دنیا ھم و دینھم و معاشھم و معادھم (۲۰)

کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول زیادہ عام اور زیادہ حقائق پر مشتمل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں ہر ایسا علم موجود ہے جو نفع پہنچانے والا ہو، جو ہو چکا اُس کا بیان بھی ہے اور جو آئندہ ہونے والا ہے اُس کا علم بھی اور ہر حلال و حرام کا بیان ہے اور اپنے دنیاوی، دینی، معاشی و اخروی امور جن کے بارے میں انسان

جاننے کے محتاج ہیں اس میں اُن اُمور کا بیان ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۸۴۹ تا ۹۱۱ھ) لکلّ شئیٍ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔(۲۱)

یحتاج الناس الیه من امر الشَّریعة۔

کہ ''قرآن کریم میں ہر چیز کا بیان ہے'' سے مراد ہر اُس شرعی حکم کا بیان ہے جس کی لوگوں کو زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔

بعض حضرات یہاں اس شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی فرمایا کہ قرآن کریم میں ہر شرعی حکم۔ امر و نہی، حلال و حرام، حدود اور دنیاوی امور سے متعلق شرعی احکام کا بیان ہے۔ لیکن ہمیں متعدد شرعی احکام کا قرآن کریم میں تفصیلی بیان نہیں ملتا۔ مثلاً نمازوں میں رکعتوں کی تعداد کا قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح نصابِ زکوٰۃ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ ایسے ہی بعض دوسرے شرعی اُمور بھی ہیں تو پھر یہ کیسے کہا گیا کہ قرآن کریم میں ہر شرعی حکم کا ذکر ہے۔ اس کا جواب حضراتِ مفسرین نے یہ دیا کہ بعض شرعی احکام خود قرآن کریم میں موجود ہیں جبکہ بعض دیگر کے لئے قرآن ہی میں بتادیا گیا ہے کہ ان مسائل کے لئے تمہیں کہاں رجوع کرنا ہے۔ کیا سنت رسول اللہ اور حدیث کی طرف رجوع کرنا ہے کہ اُس کا حل مل جائے چنانچہ فرمایا:

وَمَآ ءَاتَكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوْا اللّٰهَ ۔ (۲۲)

اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو۔

تو گویا بتایا ایسے اُمور میں تم سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرو پھر فرمایا بعض اُمور میں اجماع اُمت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ چنانچہ قرآنی ارشاد ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○ (۲۳)

اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اُس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جھنم میں داخل کریں گے، اور وہ جانے کی بری جگہ ہے۔

گویا یہاں اجماع اُمت کی طرف اشارہ کیا کہ بعض شرعی احکام تمہیں اس ذریعہ سے ملیں گے پھر قیاس مجتہد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ ○ (۲۴)

سوا ے دانشمندو اس حالت کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔

اس طرح گویا شرعی احکام کے چاروں مآخذ، قرآن مجید، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع اُمت اور قیاس مجتہد، کی طرف خود قرآن مجید میں اشارے فرما دیے گئے کہ جملہ شرعی احکام تمہیں ان میں سے کسی ایک ماخذ سے مل جائیں گے تو اب قرآن مجید کا یہ کہنا کہ اس میں ہر شرعی حکم کا بیان ہے بہتر طور پر سمجھ میں آ گیا۔ کہ وہ قرآنی بیان یا تو صراحتاً ہے یا دوسرے مآخذ کی طرف رجوع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یا حضرت مفتی محمد شفیعؒ کے الفاظ میں "قرآن کریم میں اُصول تو تمام مسائل کے موجود ہیں۔ اُنہی کی روشنی میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن مسائل کا بیان کرتی ہیں اور کچھ تفصیلات کو اجماع و قیاس شرعی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع و قیاس سے جو مسائل نکلے ہیں وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے بیان کئے ہوئے ہیں"۔ (۲۵)

حضرت حسنؒ ارشاد فرماتے ہیں (جیسا کہ امام بیہقی نے اُن کا قول نقل کیا):

انزل اللّٰہ مأۃ واربعۃ کتب و اودع علومھا اربعۃ ۔ منھا التوراۃ والا نجیل والزبور والفرقان ثم اودع علوم الثلا ثۃ الفرقان ......

اللہ پاک نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں اور پھر اُن سب کا علم چار کتابوں میں ودیعت فرمادیا یعنی توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن مجید و فرقان حمید، پھر تینوں کتابوں کا علم قرآن کریم میں ودیعت فرمادیا۔

اور حضرت امام شافعیؒ نے ارشاد فرمایا:

جميع ما تقوله الامّة شرح للسنة وجميع السنّة شرح للقرآن...... جميع ماحكم به النبى صلى الله عليه وسلّم فهو ممّا فهمه من القرآن۔

وہ تمام باتیں جنہیں اُمت کہتی ہے سنّت (حدیث) کی شرح ہیں اور تمام سنّت قرآن کی شرح ہے۔ وہ تمام باتیں جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا وہ وہی ہیں جو آپ نے قرآن کریم سے سمجھیں۔

اور اس کی تائید خود ایک حدیث نبوی ﷺ سے ہوتی ہے جسے حضرت امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الامّ میں نقل فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنّى لاَ احلّ الّا ما اَحِلّ الله و لا اُحرّم الاّ ماحرم الله فى كتابه(۲٦)

میں وہی چیز حلال یا حرام کرتا ہوں جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال یا حرام کر دیا ہے۔

اس طرح گویا قرآن کریم نے متعدد علوم کی طرف رہنمائی فرمادی اور بیشمار علوم کا دروازہ کھول دیا۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

فانّ العلم بحر ذخّار لايدرك من له قرار وطودٌ شامخ لا يسلك اِلٰى قننه ولايصار من اراد السبيل اِلىٰ استقصائهٖ لم يبلغ الىٰ ذٰلك وصولاً ومن رٗام الوصول الىٰ احصائهٖ لم يجد الىٰ ذلك سبيلا ۔ كيف و قد قال تعالىٰ مخاطباً لِخلقهٖ وما اُوتيتم من العلم الاّ قليلاً ۔

علم ایک دریائے ناپیدا کنار ہے جس کی تھاہ نہیں معلوم کی جاسکتی اور ایسا سر بہ فلک بلند پہاڑ ہے۔ جس کی چوٹی تک نہیں جایا جاسکتا۔ کتنے لوگوں نے اس سمندر کی تھاہ معلوم کرنا چاہی مگر وہ اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔ علم کی مختلف اقسام معلوم کرنے کے لئے کتنے ہی لوگوں نے سر مارا مگر تھک ہار گئے اور ایسا کیسے ممکن

تھا کہ وہ علم کا احاطہ کر سکتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ تم کو علم کا بہت تھوڑا ساحصہ دیا گیا ہے۔

قرآنی علوم کی وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

وانّ کتابنا القرآن لھو مفجرالعلوم و منبعھا و دائرۃ شمسھا ومطلعھا ۔ اَودع فیه سبحانه و تعالیٰ علم کلّ شیٔ وابان فیه کلّ ھدی وغیّ ۔ فتری کلّ ذی فن منه یستمد و علیه یعتمد ۔ فالفقیه یَستنبط منه الا حکام ویستخرج حکم الحلال و الحرام ۔ والنحوی یبنی منه قواعد اعرا به و یرجع الیه فی معرفة خطاء القول من صوابه و البیانی یھتدی به اِلیٰ حسن النظام ویعتبر مسالك البلاغة فی صوغ الکلام ۔ و فیه من القصص والا خبار مایذ کر اولی الابصار ومن المواعظ والا مثال مایزد جربه اولو الفکر والا عتبار الیٰ غیرذلك من علوم لا یقد رقدرھا اِلاّ من علم حصرھا ۔ ھٰذامِن فصاحة لفظ وبلاغة اسلوب تبھر العقول و تسلب القلوب واعجاز نظم لا یقدر علیه الاّ علّام الغیوب(۲۷)

ہماری کتاب قرآن مجید جملہ علوم کا سرچشمہ اور آفتابِ علوم کا مطلع ہے۔ اللہ پاک نے اس میں ہر چیز کا علم ودیعت کر دیا ہے۔ اور ہدایت و گمراہی دونوں کو واضح ہدایات کے ذریعہ روشن کر دیا اور صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ اسی بنا پر ہر علم و فن کا ماہر اس سے مدد لیتا اور اپنی تحقیقات میں اس پر اعتماد کرتا ہے۔ مثلاً علم فقہ کا ماہر اس کی آیات سے احکام مستنبط کرتا اور حلال و حرام کے فقہی احکام نکالتا ہے۔ علم نحو کا ماہر اپنے اعراب کے قواعد کی بنیاد اس کی آیتوں پر رکھتا ہے اور عبارت میں غلط اور صحیح کا فرق اس سے معلوم کرتا ہے۔ علم بیان کا ماہر کسی کلام میں حسن ترتیب و حسن نظام کا اس سے پتا چلاتا ہے اور علم بلاغت کے اسالیب

تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ علم تاریخ کا طالب علم اس میں گزشتہ اقوام کی تاریخ تلاش کرتا اور ایک واعظ اس میں مواعظ و امثال پالیتا ہے۔ جس سے اہل دانش اور صاحب فکر و نظر عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ غرض بے شمار علوم ہیں جن کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ الّا یہ کہ آدمی اُن کے شمار کی کوشش کرے۔ اور اتنے مختلف علوم رکھنے کے باوصف الفاظ کی فصاحت و خوبی اور اسلوب بیان کی شیرینی۔ عقل چکرا جاتی ہے اور دل اُس کی طرف کھنچتا ہے۔ کلام کا اعجاز و حسن بتا رہا ہے کہ علام الغیوب کے علاوہ کوئی دوسری ذات ایسے کلام پر قادر نہیں ہوسکتی۔"

چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنی اس اعلیٰ پائے کی تصنیف کی نوع۔ ۶۵ النوع الخامس والستون فی العلوم المستنبطة من القرآن میں قرآن کریم سے بعض مستنبط علوم کا شمار کرتے ہوئے ان علوم کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے۔ ۱۔ فن قرأت، ۲۔ علم نحو، ۳۔ علم التفسیر، ۴۔ علم النجوم، ۵۔ علم الاصول، ۶۔ علم تعبیر الرویا (خوابوں کی تعبیر کا علم) ۷۔ علم الخطاب و المناظرہ، ۸۔ علم التاریخ والقصص، ۹۔ علم اصول الفقہ، ۱۰۔ علم الفروع، ۱۱۔ علم الخطابۃ والوعظ، ۱۲۔ علم الجبر والمقابلہ، ۱۳۔ علم الھندسہ، ۱۴۔ علم الطب، ۱۵۔ علم الجندل، ۱۶۔ علم المواقیت، ۱۷۔ علم الفرائض والمیراث، ۱۸۔ علم التصوف، ۱۹۔ علم المعانی والبیان، ۲۰۔ علم لغت، ۲۱۔ علم اصول صنائع، ۲۲۔ علم ماکولات وغیرہ۔ قرآنی آیات کے اشارات کی مدد سے اِن علوم کے موجدوں اور ماہرین نے ان علوم اور اسی طرح دیگر علوم کے قواعد و ضوابط اور اصول و فروع وضع کئے۔

دور صحابہ کرامؓ

قرآنی علوم سے شغف اسلام کے ابتدائی دور ہی میں شروع ہوگیا تھا۔ صحابہ کرامؓ میں دس حضرات ایسے تھے جنھیں علم تفسیر سے خصوصی تعلق تھا۔ یہ دس اشخاص حضرات خلفاء راشدینؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیگر تین خلفاء راشدینؓ کے مقابلے میں فن تفسیر سے زیادہ دلچسپی تھی مختلف تفاسیر میں ہمیں کثرت سے ان کے تفسیری اقوال ملتے ہیں۔ حضرت ابوالطفیلؓ کا

بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کو تقریر کرتے ہوئے سنا، وہ فرمارہے تھے۔

سلونی فواللّٰہ لا تسئلون عن شئٍ الاّ اخبر تکم ۔ وسلونی من کتاب اللّٰہ فوا للّٰہ ما من آیۃ الاِّ و انا اعلم أبالیل نزلت ام بنھار ؟ ام فی سھل ام فی جبل۔

لوگو! مجھ سے پوچھو، خدا کی قسم ہے تم مجھ سے جو کچھ پوچھو گے میں تمہیں بتاؤں گا۔ مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں سوالات کرو۔ میں تمہیں ہر آیت کے متعلق بتاؤں گا کہ یہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں۔ وہ ہموار زمین میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر کہ میں اُسے خو ۔ جانتا ہوں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی علم تفسیر کے مرد میدان تھے۔ اور مختلف تفاسیر میں کثرت سے اُن سے روایات ملتی ہیں، ایک موقعہ پر اُنہوں نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا:

وَالذّی لا الٰہ غیرہ مانزلت آیۃ مِن کتاب اللّٰہ اِلاّ وَانا اَعلم فیمن نزلت واین نزلت؟ ولو اعلم مکان احد اعلم بکتاب اللّٰہ منی تنالہٗ المطایا لآ تیتہٗ ......

اُس ذات پاک کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کتاب اللہ کی کوئی آیت جو نازل ہوئی ہو ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے معلوم نہ ہو کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ اگر مجھے کسی ایسے شخص کے متعلق معلوم ہو جائے جو کتاب اللہ کو مجھ سے زیادہ جانتا ہو اور وہاں تک سواریاں جاتی ہوں تو میں اس کے پاس ضرور پہنچ جاتا......"

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تبحر علمی تفسیری مہارت اور حدیث شریف سے شغف کا اعتراف کیا ہے۔

چنانچہ ابوالبختری کی روایت ہے لوگوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں اپنی رائے بتایئے تو آپنے فرمایا

علم القرآن و السنۃ ثم ...ھی و کفی بذلك علما۔

کہ وہ قرآن و حدیث دونوں سے خوب واقف تھے، منتہی ہو گئے اور یہ علم ان کے لئے کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ (تین سال قبل ہجرت نبوی ﷺ تا ۶۸ھ) اگرچہ دیگر متعدد صحابہ کرامؓ کے مقابلہ میں کم عمر تھے مگر قرآنی علوم اور تفسیری نکات جاننے کا اُنہیں بے حد شوق تھا اور اس لئے صحابہؓ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ علم و دانائی کی جستجو اُن کا محبوب مشغلہ تھا اور زندگی کی بہت بڑی راحت، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے مسند دارمی کے حوالے سے اُن کا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے جو خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی زبانی اس طرح ہے(۲۸):

لَمَّا قُبض رسولُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه واٰلهٖ وسلّم قُلتُ لرجل من الانصار هَلُمَّ فَلنسئل اَصحابَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآلهٖ وسلّم فانهم الیوم کثیر ۔ قال وَ عجباً لك اتریٰ الناس یَفتقرون الیك قال فترك ذلك وَاقبلت أسأل فان کان لیبلغنی الحدیث عن رجل فآتی بابه وهو قائل فاتوسد ردائی علی بابه یسفی الریح علیّ مِن التراب فیخرج فیرانی فیقول یا ابن عم رسول اللّٰه ماجاء بك ۔ هلاّ ارسلت الیّ فاتیك فاقول لا انا احق ان اتیك فاسئله عن الحدیث فعاش الرجل الانصاری حتی رانی وقد اجتمع الناس حولی یسئالونی فقال هذا الفتی کان اعقل منی

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو میں نے ایک انصاری سے کہا۔ آؤ ابھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ کرامؓ حیات ہیں۔ اُن سے علم کی باتیں کیا کریں اور کچھ سیکھ لیں۔ اُن انصاری نے کہا اے ابن عباسؓ! تمہارے ایسا سوچنے پر تعجب ہے کیا تمہارا خیال ہے کہ مستقبل میں کبھی ایسا وقت آئے گا کہ لوگ تم سے علمی سوالات کیا کریں گے۔ چنانچہ اس علمی سفر میں انہوں نے میرا ساتھ دینا پسند نہ کیا تو پھر میں نے تنہا کام شروع کر دیا۔ جہاں مجھے پتا چلتا کہ فلاں شخص کے پاس ایسی کوئی علمی تحقیق یا حدیث ہے اُس کے گھر

پہنچ جاتا اور جب معلوم ہو تا کہ وہ صاحب دوپہر کا آرام (قیلولہ) کر رہے ہیں تو میں دروازے پر اپنی چادر کو تکیہ بنا کر بیٹھ رہتا۔ ہوا کے جھکڑ سے مٹی میرے منہ پر بار بار آتی مگر میں بیٹھا رہتا۔ وہ صاحب جب باہر آتے اور مجھے دیکھتے تو معذرتاً کہتے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد! آپ نے خود بھلا کیوں زحمت کی۔ آپ میرے پاس کسی کو بھیج دیتے تو میں خود حاضر ہو جاتا۔ میں کہتا نہیں مجھے ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ کے پاس آنا چاہئے تھا۔ یہ میرا فرض تھا۔ (چنانچہ اسی طرح مدتوں میری تحصیل علم کا سلسلہ جاری رہا) وہ انصاری حیات تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے ایسی حالت میں دیکھا کہ لوگ (طالب علم) میرے گرد جمع تھے اور مجھ سے قرآنی آیات کا مطلب پوچھ رہے تھے تو دیکھ کر فرمانے لگے یہ لڑکا مجھ سے زیادہ عقلمند تھا۔"

تحصیل علم کے اس شوق نے حضرت ابن عباسؓ کو امام المفسرین بنا دیا اور کیوں نہ ہو تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا جو فرمادی تھی۔

اللّٰہ فقهه فی الدّین وَ عَلّمهُ التأویل۔

اے اللہ! ابن عباسؓ کو دین کی سمجھ عطا فرما اور تفسیر قرآن کا علم سکھا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ خود فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نعم ترجمان القرآن انت ۔

(اے ابن عباس!) تم اچھے ترجمان القرآن ہو۔

اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انتهیت إلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم وعنده جبرئیل فقال جبرئیل ۔ انّهٗ کائن حبر هذه الامة ۔ فاستوص به خیراً ۔

میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسی حالت میں پہنچا کہ آپ کے پاس حضرت جبرئیل تشریف رکھتے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ یہ شخص اس اُمت کا حبر (متبحر عالم) ہونے والا ہے۔ آپ اس کے بارے میں بہتری کی وصیت فرمائیں۔

حضرت عمر فاروقؓ اسی تبحر علمی کی وجہ سے ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور نشست و برخاست میں ان کو کبار صحابہؓ کا مقام دیا کرتے تھے۔ حضرت علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے ان کی تفسیری مہارت اور تبحر علمی کے بعض دلچسپ واقعات لکھے ہیں۔(۲۹)

۱۔عن ابن عمرؓ انّ رجلاً اتاہ یسئلہ عن السموات والارض کانتا رتقا ۔ ففتقنٰھما ھما فقال اذھب الیٰ ابن عباس ...... انّہ اُوتی علماً ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اُن کے پاس ایک آدمی آیا اور اُس نے اُن سے سورۃ الانبیا کی آیت ۳۰ میں اَنّ السمّوات والارض کا نتا رتقاً ففتقنٰھما کہ آسمان اور زمین پہلے بند تھے پھر ہم نے دونوں کو اپنی قدرت سے کھول دیا" کے بارے میں پوچھا کہ اس آیت کے کیا معنی ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے اُس سے کہا کہ تم ابن عباسؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے پوچھو پھر وہ اس آیت کے جو معنی بتائیں وہ آکر مجھے بھی بتانا۔ وہ شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا اور اُن سے پوچھا۔ انہوں نے آیت کے معنی بتاتے ہوئے کہا کہ پہلے آسمان بستہ یعنی بند تھے اور بارش نہیں برساتے تھے اور زمین بند تھی کہ سبزہ نہ اگاتی تھی تو اللہ پاک نے آسمانوں کو بارش اور زمین کو سبزہ اگانے کے لئے کھول دیا۔ یہ جواب پالینے کے بعد وہ شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور اُنہیں بتایا تو انہوں نے کہا میں پہلے کہا کرتا تھا کہ ابن عباسؓ تفسیر قرآن بیان کرتے ہوئے کافی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر اب معلوم ہوا کہ اُنہیں اللہ پاک نے علم سے نوازا ہے۔

۲۔عن ابن عباسؓ قال کان عمریُدخلنی مع اشیاخ بدر فکان بعضھم وجد فی نفسہ ...... ھو اجل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم اعلمہ لہ ...... الاّ ماتقول

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ مجھے غزوۂ بدر کے عمر رسیدہ بزرگوں کے ساتھ بیٹھنے کا شرف عطا فرمایا کرتے تھے۔ اُن میں سے کسی

کے دل میں یہ خیال آیا کہ بھلا اس کم عمر لڑکے کو اس شرف سے کیوں نوازا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ تو عمر میں ہمارے بیٹوں کے برابر ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا یہ لڑکا اُن لوگوں میں سے ہے جنہوں نے تمہیں علم سکھایا ہے۔ چنانچہ ایک دن حضرت عمرؓ نے غزوۂ بدر کے عمر رسیدہ بزرگوں کو بلایا اور حضرت ابن عباسؓ کو بھی اُن کے ساتھ بلایا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اندازہ کر لیا کہ آج حضرت عمرؓ شیوخ بدر کو کچھ دکھانا اور بتانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اُن عمر رسیدہ بزرگوں سے پوچھا کہ قرآنی آیت اذا جاء نصراللّٰہ والفتح (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب خدا کی مدد اور (مکہ کی) فتح (مع اپنے آثار) آپہونچے۔ (یعنی واقع ہو جائے) کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ شیوخ بدر میں سے بعض نے کہا کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ پاک نے نصرت و فتح کی صورت میں ہمیں اپنی حمد اور استغفار کا حکم دیا ہے اور بعض ان میں سے خاموش رہے اور کچھ نہ بولے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم بھی ایسا ہی کہتے ہو۔ تو میں نے کہا نہیں۔ تو آپ نے پوچھا اچھا تو پھر اس آیت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی گئی ہے کہ جب (فتح مکہ کی صورت میں) اللہ کی مدد اور فتح آگئی تو یہ آپ کی وفات کی علامت ہے کہ اب آپ کو دنیا سے آخرت کی طرف سفر کرنا ہے تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی پاکی بیان کیجئے (تسبیح) اور اُس سے استغفار کیجئے کہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا مجھے بھی اس آیت کے متعلق یہی معلوم ہے جو (اے ابن عباسؓ) تم کہتے ہو۔

۳۔ قَال عمر بن الخطّاب یَو ماً لا صحاب النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فیمن ترون ھذہِ الاَیۃ نزلت اَیودُّ احدکم ان تکون لہ جَنّۃٌ من نخیل واعناب قالوا اللّٰہ اعلم فغضب عمر ...... فعمل با لمعاصی حتی اغرق اعمالہٗ ۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک دن صحابہ کرامؓ سے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۶۶ **اَیودُّ احدکم ان تکون له جنّة من نخیل وَاعناب الآیة** (بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اُس کا ایک باغ ہو کھجوروں کا" آخر تک) کے بارے میں پوچھا کہ بتائیں کہ یہ آیت کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی۔ صحابہؓ نے کہا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ کو غصہ آگیا۔ پھر آپ نے فرمایا یہ کہو کہ تمہیں معلوم ہے یا نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں میرے دل میں اس بارے میں کچھ آیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے بھتیجے بولو اور اپنے آپ کو حقیر نہ جانو۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے آیت کا مطلب بتاتے ہوئے فرمایا کہ آیت میں ایک عمل کی مثال دی گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کون سے عمل کی تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک دولت مند کی مثال دی گئی ہے جو اطاعت الٰہی کے مطابق عمل کرتا تھا پھر شیطان نے اُسے ورغلایا اور وہ اتنے گناہوں میں مبتلا ہو گیا کہ اس کے سارے نیک عمل ڈوب گئے۔

۴۔ **عن ابن عباسؓ انّ عمر بن الخطاب جلس فی رھط من المھاجرین من الصحابه فذکروا لیلة القدر فتکلّم کلُ بماعندهٗ فقال مالكَ یا بن عباسؓ صامت لا تتکلم؟ تکلّم ولا تمنعك الحداثة قال ابن عباسؓ الیٰ آخرالحدیث۔**

ابو نعیمؒ نے محمد بن کعب القرظی عن ابن عباسؓ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ ایک مرتبہ مہاجرین صحابہؓ کے چند افراد کے ساتھ تشریف فرماتھے کہ لوگوں نے شب قدر کا ذکر چھیڑ دیا اور ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا تم کیوں خاموش ہو اور کچھ نہیں کہہ رہے۔ بولو اور اپنی کم عمری کا خیال نہ کرو۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا امیر المومنین! اللہ وتر (ایک) ہے۔ اور وتر کے عدد (وہ عدد جو دو سے تقسیم نہ ہو یعنی Odd وتر یا طاق ہے اور اگر دو سے تقسیم ہو جائے جیسے دو، چار، چھ، آٹھ وغیرہ تو وہ شفع یا جفت یا Even ہے) کو پسند کرتا ہے (یعنی اللہ ہر ایسے عدد کو

پسند کرتا ہے جو دو سے تقسیم نہ ہوتا ہو مثلاً ۱، ۳، ۵، ۷ وغیرہ) پس اللہ پاک نے ایام دنیا کو سات کے عدد پر دائر بنایا ہے۔ ہمارے رزق کو سات تغیرات سے پیدا فرمایا۔ انسان کی تخلیق (بجتی مٹی، نطفہ، علقہ، مضغہ، ہڈیاں، گوشت، روح) سات مراحل میں کی۔ ہمارے اوپر سات آسمان تخلیق فرمائے۔ ہمارے قدموں تلے زمین کے سات طبق پیدا فرمائے۔ (سورۂ فاتحہ کی) بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں عطا فرمائیں۔ اور اپنی کتاب میں سات قریبی رشتہ رکھنے والی خواتین (مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں) سے نکاح کرنے سے منع کیا اور اپنی کتاب میں میراث کو سات قسم کے رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے بدن کے سات حصوں پر ہمیں سجدے کا حکم دیا (چہرہ، دو ہاتھ، دو گھٹنے، دو پنجے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کا سات بار طواف کیا اور کوہ صفا و مروہ کے درمیان سات بار سعی کی۔ اور سات کنکریوں سے شیطان کو کنکریاں ماریں (رمی جمرات) تو میرا خیال ہے کہ شب قدر رمضان المبارک کی آخری سات راتوں میں سے ایک ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر تعجب میں رہ گئے اور فرمایا اس کم عمر لڑکے کے علاوہ جس نے ابھی تک جوانی میں بھی قدم نہیں رکھا ہے کسی نے اس بارے میں میری موافقت نہیں کی۔ پھر آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے آپ میں سے ہے کوئی جو اس مضمون کو اس طرح ادا کرے جیسا ابن عباسؓ نے ادا کیا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اسی تبحر علمی اور ذکاوت کے باعث آپ کو حضرات تابعینؒ میں متعدد ایسے شاگرد ملے جنہوں نے علم تفسیر کو آگے مزید ترقی دی، مثلاً حضرت مجاہدؒ (۲۱ تا ۱۰۳ھ) حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت عکرمہؒ، اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ وغیرہ۔ دورِ صحابہؓ میں حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت انسؓ سے بھی تفسیری روایات وارد ہوئی ہیں اور حضرت ابی بن کعبؓ کی روایات بالخصوص مسند احمد اور مستدرک حاکم میں موجود ہیں۔ صحابہ و تابعین کے تربیت یافتہ مفسرین میں جن بزرگوں کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان میں حضرت قتادہؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت ضحاکؒ، حضرت عروۃ بن الزبیرؒ، حضرت طاؤسؒ، حضرت محمد بن سیرینؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت علقمہؒ،

حضرت ابوالعالیہؒ، حضرت زید بن اسلمؒ، محمد بن کعب القرظیؒ، حضرت اسودؒ، حضرت ابن ابی ملیکہؒ، حضرت ابن جریجؒ، حضرت مرۃ الھمدانیؒ، حضرت شعبیؒ، حضرت نافعؒ نے تفسیری شعبے میں قیمتی کام کئے۔

اہم تفسیری خدمات

بعض بزرگوں نے مختلف ادوار میں جو قیمتی تفسیری خدمات انجام دی ہیں ان بزرگوں کی تاریخ وفات کے اعتبار سے ان کی تفاسیر کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (تین سال قبل ہجرت تا ۶۸ھ): تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ مطبوعہ بیروت (لبنان) علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی تفسیر الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔ چھ جلدوں میں یہ مصر کا مطبوعہ نسخہ ان دو تفاسیر پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ضخامت کا اندازہ اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ جلد۔۱ کے صفحات ۳۸۰ اور جلد۔۶ کے ۴۲۴ ہیں۔

مصر سے ۱۳۲۰ تا ۱۳۲۴ھ ایک ہی کتاب میں چار تفسیریں چھ جلدوں میں اس طرح طبع ہوئیں کہ دو تفسیریں ہر صفحہ کو دو حصے کر کے اوپر نیچے طبع ہوئیں کہ درمیان صفحہ ایک سطر سے فاصلہ کر دیا گیا اور دو تفسیریں کتاب کے حاشیہ پر طبع ہوئیں۔ ان چار تفسیروں میں ایک یہی تفسیر ابن عباس ہے جو حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔ دیگر تین تفسیریں یہ ہیں: قاضی بیضاویؒ کی تفسیر انوار التنزیل، خازن کی تفسیر لباب التاویل اور نسفی کی مدارک التنزیل۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ تفسیر درحقیقت آٹھویں صدی ہجری کے ماہر لغت صاحب "القاموس" علامہ ابوطاہر محمد بن یعقوب شیرازی شافعی فیروز آبادیؒ (م۔ ۸۱۷ھ) کی مرتب کردہ ہے۔ جس میں انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے تفسیری اقوال کو جمع کیا ہے لیکن چونکہ یہ روایات محمد بن السائب الکلبی کے ذریعہ مروی ہیں لہٰذا محققین انہیں ناقابل اعتبار تصور کرتے ہیں، مصر کے علاوہ یہ تفسیر ایران سے بھی شائع ہوئی ہے۔ قرآن مجید کا متن عام صفحات پر اور تفسیر حاشیہ پر (کل صفحات ۵۲۸) پاکستان سے اکوڑہ خٹک نے اسے ۳۹۸ صفحات پر اصل مطبوعہ مصری نسخے سے شائع کیا ہے۔

۲۔ امام شافعیؒ (م۔ ۲۰۴ھ): تفسیر امام شافعیؒ، جمع و تحقیق مجدی بن منصور بن سید الشوری،

مطبوعہ بیروت، کل صفحات ۲۰۰، اقوال امام شافعیؒ فی التفسیر۔

۳۔ امام ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم نیشاپوریؒ (م۔ ۲۳۸ھ) تفسیر اسحٰق بن راہویہ۔

۴۔ ابو جعفر محمد بن جریر الطبریؒ (م ۳۱۰ھ) تفسیر طبری جامع البیان عن تاویل آی القرآن مطبوعہ بیروت (لبنان) ۳۰ جلدیں ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۴ء، صفحات ج۔۱ (۵۷۶)، ج۔۳۰ (۳۵۶)۔

۵۔ نصر بن محمد فقیہ سمرقندی حنفیؒ (م۔ ۳۸۳ھ) تفسیر ابی اللیث، روایت و درایت دونوں اعتبار سے عمدہ تفسیر۔ شیخ زین الدین حنفیؒ نے اس کی احادیث کی تخریج کی۔

۶۔ امام ابو بکر احمد ابن علی الرازی الجصّاص الحنفیؒ (م۔ ۳۷۰ھ) احکام القرآن، مطبوعہ لاہور (۳ جلدیں) الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء، صفحات تقریباً ڈیڑھ ہزار۔

۷۔ ابو عبداللہ بن یوسف نیشاپوریؒ (م۔ ۴۳۸ھ) تفسیر الجوینی (ہر آیت کی تفسیر دس وجہ پر)

۸۔ امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعیؒ (م۔ ۵۱۶ھ) تفسیر بغوی معالم التنزیل، مطبوعہ ملتان ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء، چار جلدیں (صفحات زائد از دو ہزار)

۹۔ امام ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری الخوارزمیؒ (۴۶۷ تا ۵۳۸ھ)، الکشاف عن حقائق التنزیل و عیون الاقاویل فی وجوہ التاویل۔ مطبوعہ بیروت، چار جلدیں، صفحات تقریباً ۳ ہزار۔

۱۰۔ امام ابوالحسن علی بن عراق صناری حنفیؒ (م۔ ۵۳۹ھ) تفسیر خوارزمی بطرز اہل حدیث۔

۱۱۔ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ (م۔ ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن ۲۰ جلدیں مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ تا ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۳ تا ۱۹۳۴ء (صفحات تقریباً ۵ ہزار) امام مالکؒ کے مسلک پر۔ اعلیٰ پایہ کی تصنیف ہے۔

۱۲۔ امام ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی (م ۶۸۵ھ) تفسیر بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ بیروت (لبنان) ۴۔ جلدیں۔ الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۰ھ / ۱۹۹۰ء، صفحات تقریباً ۲ ہزار۔

۱۳۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر الرازیؒ (م۔ ۶۰۶ھ) مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) جلدیں۔ ۳۲، مطبوعہ مصر، الطبعۃ الثالثۃ، صفحات تقریباً ۶۵۰۰، علوم درایت کے اعتبار

سے لاجواب تفسیر ہے۔ باطل فرقوں معتزلہ، جہمیہ، اباحیہ، مجسمہ وغیرہ کا خوبصورت دلائل کے ساتھ رد، سورۂ فاتحہ کی تفسیر ۱۵۰ صفحات میں ہے۔ امام رازیؒ یہ تفسیر سورۃ الفتح تک لکھ پائے تھے کہ انتقال ہوگیا۔ باقی تفسیر قاضی شہاب الدین دمشقیؒ (م ۶۳۹ھ) یا شیخ نجم الدین القمولیؒ (م ۷۷۷ھ) نے مکمل کی۔

۱۴۔ علامہ موفق الدین احمد شیبانی شافعیؒ (م ۶۸۰ھ) تفسیر کواشی۔

۱۵۔ امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفیؒ (م ۷۰۱ھ) مدارک التنزیل و حقائق التاویل، مطبوعہ مصر ۱۳۲۰ تا ۱۳۲۴ الطبعۃ الاولیٰ چھ جلدوں پر مشتمل ایک کتاب میں چار تفسیریں جن میں ایک یہ جبکہ دیگر تین قاضی بیضاوی کی انوار التنزیل، خازن کی لباب التاویل اور علامہ فیروز آبادی کی تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ،

۱۶۔ علامہ علاء الدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن (م ۷۲۵ھ) کتاب التاویل فی معانی التنزیل، مطبوعہ مصر الطبعۃ الثانیہ ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵، سات جلدیں صفحات تقریباً دو ہزار۔

۱۷۔ امام تقی الدین ابن تیمیہؒ (۶۶۱ تا ۷۲۸ھ) التفسیر الکبیر سات جلدیں مطبوعہ بیروت (لبنان) الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء صفحات تقریباً ڈھائی ہزار۔

۱۸۔ امام اثیر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسیؒ (۶۵۴ تا ۷۴۵ھ) البحر المحیط آٹھ جلدیں۔ مطبوعہ مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (صفحات تقریباً چار ہزار)

۱۹۔ حافظ عماد الدین بن کثیر الدمشقیؒ (م ۷۷۴ھ) تفسیر ابن کثیر مطبوعہ بیروت (لبنان) چار جلدیں، تفسیر بالروایۃ کے سلسلے کی اعلیٰ پایہ کی تفسیر، صفحات زائد از دو ہزار، حافظ ابن کثیر اعلیٰ پایہ کے محدث بھی ہیں۔ اس طرح یہ تفسیر احادیث کا بھی خوبصورت ذخیرہ بن گئی ہے۔

۲۰۔ شیخ علی بن احمد مہائمیؒ، (م ۸۳۵ھ) مہائم، گجرات کی بندرگاہ، شیخ محی الدین ابن العربیؒ، کے عقیدہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں۔ (تفسیر رحمانی)،

۲۱۔ علامہ جلال الدین محلی (۷۹۱ تا ۸۶۴ھ) تفسیر جلالین (نصف ثانی) مطبوعہ کراچی ۱۳۶۸ھ معروف تفسیر اور داخل نصاب ہے۔

۲۲۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۸۴۹ تا ۹۱۱ھ) تفسیر جلالین (نصف اوّل) علامہ جلال الدین

محلی کی ناتمام تفسیر کو صرف ایک چلے میں مکمل کیا جبکہ ان کی عمر صرف ۲۲ سال تھی۔ مشہور تفسیر ہے داخل نصاب ہے۔اعلیٰ پائے کی کتابوں کے مصنف ہیں۔

۲۳۔ قاضی ابو السعود محمد بن محمد العمادی الحنفیؒ (م ۹۵۱ھ) ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم (تفسیر ابی السعود) پانچ جلدیں عمدہ تفسیر ہے۔

۲۴۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۱۴۳ تا ۱۲۲۵ھ) التفسیر المظہری دس ۱۰ جلدیں مطبوعہ لاہور ۱۳۰۴ھ / ۱۹۸۳ء الطبعۃ الاولیٰ (ایضاً مطبوعہ کوئٹہ) قاضی صاحبؒ کی یہ تفسیر تصوف کے مذاق پر لکھی گئی ہے۔ اپنے مرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے نام پر تفسیر کا نام تفسیر مظہری رکھا ہے۔ چونکہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددّیہ سے وابستہ ہیں، اس لئے بعض اُن قرانی آیات کے تحت جن سے مسائل سلوک مستنبط کئے ہیں جا بجا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال ذکر کئے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی معارف القرآن میں جا بجا اس تفسیر کے حوالے ملتے ہیں۔ مولانا سید عبدالدائم جلالی نے اس عربی تفسیر کا بارہ جلدوں میں اردو ترجمہ کیا ہے۔ جو کراچی سے ۱۹۸۰ تا ۱۹۸۵ء شائع ہوا۔ جلد اول صفحات ۵۶۸ جلد۔۱۲ صفحات ۶۰۰،

۲۵۔ نواب سیّد صدیق حسن خان زوج رئیسہ بھوپال، تفسیر فتح البیان، شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) کی تفسیر فتح القدیر کے خلاصے کے طور پر لکھی گئی ہے۔

۲۶۔ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ بہ صنعاء) تفسیر فتح القدیر (پانچ جلدیں) مطبوعہ بیروت، جلد۔۱، صفحات ۵۵۲، جلد۔۵، صفحات ۵۲۴، فنِ روایت و فن درایت کی جامع عمدہ تفسیر ہے۔

۲۷۔ مفتی بغداد و مرجع اہل عراق علامہ ابو الفضل شہاب الدین السیّد محمود الآلوسی بغدادیؒ (م ۱۲۷۰ھ)، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی (۳۰ جلدیں) مطبوعہ لاہور ۱۳۹۰ھ، صفحات جلد۔۱ (۳۸۶)، جلد ۳۰ (۲۸۸)، حضرت آلوسیؒ اپنے دور کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ اور روحانیات میں ڈوبے ہوئے تصوف کے بے شمار نکات آپ نے اپنی تفسیر میں بیان کئے ہیں۔ سالکین کے لئے خصوصاً عمدہ تفسیر ہے۔

۲۸۔ سید امیر علی ملیح آبادیؒ (۱۲۷۴ تا ۱۳۳۳ھ) مواھب الرحمٰن فی تفسیر القرآن (۳۰ جلدیں)، کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ سیّد نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد اور

صاحب ''نزھۃ الخواطر''، حکیم سید عبدالحی حسنیؒ (والد سید ابوالحسن علی ندویؒ) کے اُستاد، ان کی دیگر دویادگاری کتابیں مشہور فقہی کتاب ھدایہ کا اردو ترجمہ عین الھدایہ اور فتاویٰ عالمگیریہ کا دس جلدوں میں اردو ترجمہ ہیں،

۲۹۔ علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلویؒ تفسیر فتح المنان المشہور بہ تفسیر حقانی (پانچ جلدیں) مطبوعہ کراچی ۱۹۷۷ء، حضرت علامہ نے اس تفسیر کا ایک انتہائی محققانہ مقدمہ تحریر فرمایا ہے جو ۲۱۰ صفحات پر مشتمل ہے، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اس مقدمہ کے بارے میں فرماتے ہیں، ''مقدمہ میں جناب مفسر مرحوم نے علوم قرآنیہ اور حقائق فرقانیہ اور مدارک اعجاز و فصاحت و بلاغت اور طبقات نظم و عبارت اور عقائد اسلامیہ اور انواع دلائل اور ردّ اَدیان باطلہ اور علوم برزخ و حشر و نشر و قیامت پر تحلیل اور ترکیب کے ساتھ محیط اور حاوی بحث کی ہے جس کی نظیر اگرچہ ممکن ہے مگر واقع نہیں۔

پھر تفسیر میں علاوہ تفسیر قرآن حکیم کے ہر ہی طرح کے معارف مثلاً علم ارواح و مسائل تکلیف و تقدیر و ثواب و عقاب و تحقیق مسائل شرعیہ و ردّ شبہات مخالفین ذکر کئے ہیں اور تاریخ و جغرافیہ بہ قدر حاجت نہایت تحقیق سے دیئے گئے ہیں۔ اہل علم کے لئے یہ تفسیر خاصے دنوں رہنما اور حاجت روا رہی ہے۔''

درج ذیل تفاسیر بھی عرصہ تک اہل علم کی خصوصی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔

۱۔ جلال الدین سیوطیؒ: مجمع البحرین و مطلع البدرین، اس میں حضرت علامہ نے منقولہ اقوال و مفید فوائد سے تفسیر کو مزین کیا ہے اور ''الاتقان فی علوم القرآن'' کو اس کا مقدمہ بنایا ہے۔

۲۔ امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن شافعی، تفسیر قشیری،

۳۔ علامہ شہاب الدین دولت آبادی ثم دہلویؒ، تفسیر بحر مواج (فارسی) مصنف مخدوم نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے شاگرد قاضی عبدالمقتدر کندی کے شاگرد ہیں اور بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

۴۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ: فتح الرحمٰن (ترجمہ قرآن۔ فارسی)

۵۔ تفسیر عزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ: دو جلدیں، جلد اوّل (از سورۃ الفاتحہ تا

آیت وان تصوموا خیر لکم پارۂ دوم)و جلد دوم آخری دو پارے بہت اچھی تفسیر ہے۔اس میں بڑے مفید نکات آگئے ہیں۔

ہمارے دور کی جو عمدہ تفاسیر اہل علم کے زیر مطالعہ رہتی ہیں ان میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بیان القرآن، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر عثمانی (یا حاشیہ قرآن مجید)، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی تفسیر ماجدی، مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی معارف القرآن، پیر محمد اکرم شاہ کی ضیاء القرآن شامل ہیں۔ مخدوم زادہ حافظ سیّد فضل الرحمٰن کی تفسیر ''احسن البیان'' کی اب تک پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور سورۃ الانبیا تک تفسیر مکمل ہو چکی ہے۔ شاید یہ تفسیر آٹھ یا نو جلدوں میں مکمل ہو۔ ابھی لکھ رہے ہیں، اسلوب نگارش عمدہ اور دلنشین ہے۔ کتاب میں مشکل الفاظ کا حل بھی جا بجا دیا گیا ہے۔ قاری کے لئے اس کا مطالعہ بھی انشاء اللہ مفید ہوگا۔

نبی اُمّی معلّم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی عظمت کا جو پیغام انسانیت کو دیا اور اُس کے نتیجے میں صرف ایک شعبۂ علم (تفسیر قرآن کریم) میں عظیم کاوشیں ہوئیں اور علم و معرفت کی نئی نئی راہیں کھلیں اُس کی ایک معمولی سی جھلک آپ نے گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائی۔ علم کے دیگر متعدد شعبوں، تدوین حدیث، تدوین فقہ، اصول تفسیر، علم اسرار و حکم تاریخ و جغرافیہ، علم معانی و بیان، تصوف و معرفت و دیگر بیشمار علوم میں مسلمانوں نے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے، اس کی صورت حال بھی گزشتہ مساعی و کارناموں سے کچھ مختلف نہیں۔

(جاری ہے)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ ایم اے، ایم ایڈ، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن افضل پور، فلسفہ اور تاریخ التعلیم مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۱۴۶۔۱۴۸،

۲۔ سورۃ المجادلہ، آیت ۱۱،

۳۔ شیخ ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، مشکوۃ المصابیح مطبوعہ کراچی ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء کتاب العلم، الفصل الثانی ص ۳۴،

۴۔ ایضاً، ص ۳۴،

۵۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۷۳،

۶۔ علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی، تفسیر حقانی مطبوعہ کراچی ۱۹۷۷ء / ص ۱۸ / ج ۲،

۷۔ سورۃ التوبہ، آیت ۹۲،

۸۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم، مستدرک / ص ۱۸ / ج ۳،

محدث حاکمؒ (۳۲۱ھ تا ۴۰۵ھ) صاحب مستدرک کا تعلق نیشاپور سے تھا۔ قاضی تھے اس لئے حاکم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ امام بیہقیؒ، ابوالقاسم قشیریؒ اور ابو یعلیٰؒ جیسے عظیم محدثین ان سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ آب زمزم پی کر اللہ پاک سے دعا مانگی کہ مجھے حسن تصنیف عنایت ہو۔ دعا قبول ہوئی اور اپنے دور کے عظیم ماہرین حدیث امام دار قطنیؒ، امام عبدالغنی منذریؒ اور امام ابن مندہ سے حسن تصنیف میں بڑھ گئے۔ بچپن ہی سے انہیں علم حدیث حاصل کرنے کا شوق تھا، اور یہی شوق انہیں ماوراءالنہر، خراسان ودیگر اسلامی ممالک لے گیا۔ تقریباً دو ہزار شیوخ سے انہوں نے یہ علم حاصل کیا۔ کثیر التصانیف تھے۔ ابن خلکانؒ نے ان کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ ہزار لکھی ہے۔ جن میں کتاب الاکلیل کو بھی خوب شہرت ملی۔ طبقات الشافعیہ میں ان کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ ابوالفضل ہمدانی کو اپنے حافظے پر بڑا ناز تھا۔ سو سو اشعار ایک محفل میں سنتا اور فوراً اسے حفظ ہو جاتے کہ بالترتیب وہ اشعار دوبارہ سنا سکتا تھا۔ بڑے بڑے حفاظ حدیث کو بھی اپنے مقابلے میں کچھ نہ سمجھتا تھا۔ نیشاپور آیا تو محدث حاکمؒ نے اس کے پاس حدیث کا ایک جزو بھیج دیا اور سات دن کی مہلت دی کہ اس مجموعہ کو حفظ کر کے بتائے۔ ابوالفضل ہمدانی نہ کر سکا تو محدث حاکمؒ نے کہا اس سے اپنی حیثیت کا تعین کر لو اور آئندہ کبھی اس طرح بڑی باتیں نہ کرنا۔ محدث حاکمؒ کا انتقال عجب طرح ہوا حمام میں غسل کر کے ابھی فارغ ہی ہوئے تھے۔ تہبند پہن لیا تھا۔ ابھی قمیص زیب تن نہ کر سکے کہ انتقال ہو گیا، فرحمہ اللہ

۹۔ مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری، تذکرہ احوال اصحاب صفہ مطبوعہ حیدر آباد سندھ ۱۳۷۳ھ / ص ۴۶

۱۰۔ سورۃ عبس، آیت ۱۱ تا ۱۶

۱۱۔ امام فخر الدین محمد بن عمر رازیؒ (م۔۶۰۶ھ) مفاتیح الغیب فی تفسیر القرآن الکریم، یا تفسیر کبیر ۳۲ جلدیں مطبوعہ مصر الطبعۃ الثالثۃ۔

۱۲۔ شیخ الاسلام جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطیؒ (م۹۱۱ھ) الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ مصر، الطبعۃ الرابعۃ ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء / ص ۶۷ (النوع۔۱۸) / ج ۱،

۱۳۔ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (۷۷۳ تا ۸۵۲ھ / ۱۳۷۲ تا ۱۴۴۹ء) فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء / ص ۱۰ / ج ۹،

۱۴۔ حضرت علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین برہان پوری (۸۸۵ تا ۹۷۵ھ / ۱۴۸۰ تا ۱۵۶۷ء)

مولف کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال، (۱۶ جلدیں مطبوعہ بیروت ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) یہ کتب احادیث میں خوبصورت اضافہ ہے۔ اور ۴۶۶۲۴ر احادیث کا مجموعہ ہے۔ جلد اوّل کے صفحات ۶۳۳ جبکہ جلد۔۱۶ کے صفحات ۸۸۷ ہیں۔ اس سے حدیث کی اس عظیم کتاب کی ضخامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت علی متقی برہانپوریؒ حجاز مقدس چلے گئے تھے اور وہیں کی سکونت اختیار کرلی تھی۔ آپ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ ہیں اور سو سے زائد کتب کے مصنف۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''جمع الجوامع'' کے نام سے احادیث کی ایک عظیم کتاب مرتب کی تھی جس میں قولی احادیث کی ترتیب حدیث کے پہلے لفظ کے لحاظ سے اور فعلی احادیث کی ترتیب راویوں کے نام کے اعتبار سے تھی۔ مگر جب یہ کتاب بہت زیادہ ضخیم ہوگئی تو انہوں نے اس کا خلاصہ ''الجامع الصغیر'' کے نام سے تحریر فرمایا جس میں فعلی احادیث چھوڑدیں اور صرف مختصر قولی احادیث کا انتخاب کرلیا۔

حضرت علی متقی برہان پوریؒ نے یہ کمال کر دکھایا کہ نہ صرف احادیث کے اس عظیم ذخیرہ کو مختلف عنوانات کی مناسبت سے کتابوں بابوں اور فصلوں (کتب، ابواب، فصول) میں تقسیم کردیا کہ عنوانات (حسب ضرورت) کے تحت احادیث کا تلاش کرنا آسان ہوگیا، بلکہ مرتب اوّل حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی ترتیب کا بھی احترام کیا کہ پہلے ان کی ''الجامع الصغیر'' کی احادیث کو مرتب کرکے اس کا نام ''منہاج العمال فی سنن الاقوال'' رکھا پھر وہ قولی احادیث جو ''جمع الجوامع'' کا خلاصہ لکھنے کے باعث ''الجامع الصغیر'' میں نہ آسکی تھیں اُن کو اکمال منہاج العمال کے نام سے مرتب کیا۔ پھر اپنی ان دونوں مرتب کتابوں کو جمع کرکے (دوسرے الفاظ میں ''جمع الجوامع'' کی تمام قولی

احادیث پر مشتمل) اس کا نام ''غایۃ العمال'' رکھا۔ اب جمع الجوامع کی فعلی احادیث کو آپ نے کتب، ابواب و فصول کے طرز پر جمع کر کے اُس کا نام ''مستدرک الاقوال'' رکھا اور پھر ان سب کو جمع کر کے اُس کا نام ''کنز العمال'' رکھا گویا کنز العمال اُن کی دو کتابوں غایۃ العمال اور مستدرک الاقوال کا مجموعہ ہے اور ''غایۃ العمال''، ''منہاج'' اور ''اِکمال'' کا مجموعہ۔ حضرت علی متقی برہانپوریؒ کے اُستاد حضرت ابوالحسن البکریؒ اِسی لئے اُن پر فخر کرتے ہوئے بجا طور پر فرمایا کرتے تھے:

''سیوطی نے جمع الجوامع مرتب کر کے ساری دنیا پر احسان کیا جبکہ علی متقی نے دوبارہ اُسے مرتب کر کے خود سیوطی پر احسان کیا۔''

۱۵۔ کنز العمال، ج ۲ / رقم ۴۱۵۷،

۱۶۔ عمدۃ القاری، ج ۹ / ص ۳۰۶،

۱۷۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ، الاتقان فی علوم القرآن مطبوعہ مصر، الطبعۃ الرابعۃ ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء / ص ۲۱۸ / ج ۲، نوع۔ ۷۶، فی مرسوم الخط و آداب کتابتہ،

۱۸۔ فتاویٰ عالمگیری: ۱۰۷۴ھ تا ۱۰۸۲ھ / فقہ حنفی میں کامل دستگاہ اور عمیق نظر رکھنے والے تقریباً چالیس پچاس علما کی آٹھ سالہ مشترکہ کوشش، صاحب ھدایہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانیؒ (۵۱۱ھ تا ۵۹۳ھ / ۱۱۱۷ء تا ۱۱۹۷ء) کی طرز پر لکھی گئی حنفی فقہ کی ضخیم کتاب جو تقریباً ۱۳۰ فقہی کتابوں کا نچوڑ ہے۔ اور جو ہدایہ، قدوری، فتح القدیر، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، وقایہ، بدائع الصنائع، عنایہ، مبسوط، فتاویٰ قاضی خاں، مختصر الطحاوی، محیط برہانی، محیط سرخسی، فتاویٰ تاتار خانیہ، التجنیس و المزید، بحر الرائق، درّالمختار، غایۃ البیان، کافی، السراج الوہاج، قنیۃ المنیۃ وغیرہ معیاری فقہی کتب کے گہرے مطالعہ کے بعد لکھی گئی ہے۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ (۱۶۵۸ تا ۱۷۰۷ء) کے عہد حکومت کا یہ علمی و دینی کارنامہ سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ جس پر عالمگیری سکے کے دو لاکھ روپے صرف ہوئے اور ہمیشہ کے لئے مفتیانِ شرع متین کو فتاویٰ نویسی میں عظیم سہولتیں حاصل ہوگئیں۔

تالیف کے عظیم کام کا اس طرح انتظام کیا گیا کہ اُس وقت کے چوٹی کے علماء کا ایک بورڈ تشکیل دیا گیا، جن کے سربراہ اُس وقت کے عظیم عالم شیخ اور فقیہ حضرت شیخ نظام الدین

برہانپوریؒ مقرر کئے گئے اور اُنہیں جتنی بھی سرکاری سہولتیں فراہم کی جاسکتی تھیں پوری فراخدلی کے ساتھ حکومت وقت کی طرف سے فراہم کی گئیں۔ ان کے تحت چار علماء رکھے گئے اور پورے کام کو تقسیم کرتے ہوئے اُن چاروں علما میں سے ہر ایک کو کام کا ایک چوتھائی حصہ سپرد کردیا گیا۔ یہ چار ذیلی سربراہ قاضی محمد حسین جونپوریؒ، شیخ وجیہ الدین گوپاموئیؒ، سیّد جلال الدین محمد مچھلی شہریؒ اور شیخ محمد اکرم لاہوریؒ تھے۔ پھر ان چاروں میں ہر ایک کی اعانت کے لئے دس دس علما مقرر کئے گئے تاکہ ہر شرعی مسئلہ کی خوب خوب تحقیق کریں اور پھر اپنی علمی تحقیق اور اُس کے نتائج سے اپنے ذیلی سربراہ کو مطلع کردیں۔ تاکہ تحریر کے کام کو آخری شکل دی جاسکے۔

مذکورہ پانچ چوٹی کے علماء کی جن دیگر علمانے اس تحقیقی کام اور ان فتاویٰ کی ترتیب و تحریر میں معاونت کی بعض کے نام یہ ہیں: شیخ حامد جونپوریؒ، شیخ رضی الدین بھاگلپوریؒ، سیّد محمد قنوجیؒ، شیخ محمد جمیل صدیقی جونپوریؒ، شیخ ابوالخیر ٹھٹھویؒ، شیخ نظام الدین ٹھٹھویؒ، قاضی علی اکبر الٰہ آبادیؒ، شیخ محمد غوث کاکوریؒ، علامہ ابوالواعظ ہرگامیؒ، شیخ فصیح الدین جعفری پھلواریؒ، شیخ احمد بن ابو منصور گوپاموئیؒ، قاضی محمد دولت فتح پوریؒ، قاضی عصمت اللہ لکھنویؒ، شیخ محمد سعید سہالویؒ، شیخ عبدالفتاح صمدانی، قاضی سیّد عنایت اللہ مونگھیریؒ، قاضی عبدالصّمد جونپوریؒ، مفتی ابوالبرکات دہلویؒ، شاہ عبدالرحیم دہلوی (والد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بطور معاون شیخ حامد جونپوریؒ بوقت نظر ثانی فتاویٰ عالمگیریہ، شیخ سیّد محمد فائق ؒ، شیخ وجیہ الربؒ، قاضی غلام محمدؒ، شیخ محمد شفیعؒ، علامہ ابوالفرح معروف بہ سیّد معدنؒ،

فتاویٰ عالمگیریہ ابتداءً عربی میں لکھی گئی۔ پھر اس کے فارسی، اُردو اور انگریزی ترجمے بھی ہوئے۔ پہلا فارسی ترجمہ علامہ عبداللہ رومی چلپیؒ نے کیا۔ دوسرا فارسی ترجمہ قاضی نجم الدین خان کاکوریؒ (۱۱۵۷ تا ۱۲۲۹ھ) نے سر جان شور (۱۷۹۳ تا ۱۷۹۸ء) وائسرائے ہند کے مشورہ سے کیا، جو کلکتہ اور لکھنؤ سے متعدد بار چھپا۔ فتاویٰ کے منتخبات کا انگریزی ترجمہ A Digest of Moohammetan Haneefea and Islamic Law in India کے نام سے N.B.A. Baley نے کیا جو ۱۸۵۰ء میں طبع ہوا۔ متبحر عالم جناب سیّد امیر علی ملیح آبادیؒ (۱۲۷۴ء تا ۱۳۳۷ھ) جو عظیم محدث مولانا سید

نذیر حسین محدث دہلویؒ کے لائق شاگرد اور مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی (مصنف نزھۃ الخواطر) کے اُستاد تھے اور تین سال صدر مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ رہے انہوں نے دس جلدوں میں فتاوٰی عالمگیریہ کا اردو ترجمہ لکھا۔ تین سو صفحات پر مشتمل اُس کا ایک انتہائی مفید مقدمہ بھی لکھا۔ انہوں نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ھدایہ" کا ترجمہ عین الھدایۃ، کے نام سے کیا اور تفسیر قرآن مجید تفسیر مواہب الرحمٰن فی تفسیر القرآن ۳۰ ضخیم جلدوں میں لکھی،

۱۹۔ سورۃ النحل، آیت ۸۹،

۲۰۔ حافظ عماد الدین بن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) تفسیر ابن کثیر مطبوعہ بیروت، طبعۃ ثانیہ / ص ۵۰۳ / ج۔۲،

۲۱۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۸۴۹ تا ۹۱۱ھ) تفسیر جلالین مطبوعہ کراچی ۱۳۶۸ھ / ص ۲۲۴،

۲۲۔ سورۃ الحشر، آیت ۷،

۲۳۔ سورۃ النساء، آیت ۱۱۵،

۲۴۔ سورۃ الحشر، آیت ۲،

۲۵۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ: "معارف القرآن" (مطبوعہ کراچی ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء / ص ۳۷۴۔۳۷۵ / ج۔۵)

۲۶۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ: الاتقان فی علوم القرآن مطبوعہ مصر ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء / نوع۔۶۵ / ص ۱۹۰ / ج۔۲،

۲۷۔ ایضاً، مقدمہ کتاب / ص ۳۔۴،

۲۸۔ شیخ الاسلام، امام الحفاظ، قاضی القضاۃ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی الکنانی العسقلانی المصری المعروف بابن حجرؒ ۷۷۳ تا ۸۵۲ھ، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ،" مطبوعہ بیروت (لبنان) الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۲۸ھ ذکر حضرت ابن عباسؓ، / ص ۳۳۱ / ج ۲، صحابہ کرامؓ کے حالات وواقعات پر بے نظیر کتاب (چار جلدوں میں۔ کل صفحات ۲۳۲۷، ۱۰۷۴۳ صحابہ کرامؓ اور ۱۵۵۲ صحابیاتؓ کے مستند حالات وواقعات)

۲۹۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۸۴۹ تا ۹۱۱ھ) الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ مصر ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء / نوع۔۸۰ / ص ۲۴۰ / ج ۲،